تذکرہ

نکات الشعراء

مُصنّفہ

میر تقی میر

مرتبہ

ڈاکٹر محمود الٰہی
صدر شعبۂ اردو
گورکھپور یونی ورسٹی

اُتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات : ۱۶۵

تذکرۂ

نکات الشعراء

مُصنّفہٴ

میر تقی میرؔ

مُرتّبہٴ

ڈاکٹر محمود الٰہی
صدر شعبۂ اردو، گورکھپور یونی ورسٹی

اتر پردیش اُردو اکادمی لکھنؤ

نکات الشعراء

میر تقی میرؔ

مرتبہ
ڈاکٹر محمود الٰہی

پہلا اکادمی ایڈیشن : ۱۹۸۴

تعداد : ۱۰۰۰

ستیش چندر سریواستو، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس ایسوسی ایٹڈ جرنلس لمیٹیڈ پریس،
بشیشر ناتھ روڈ، لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر اکادمی بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ سے شائع کی۔

پیش لفظ

کسی زبان میں شائع ہونے والی کتابوں کے موضوعات میں تنوع اس زبان کے فعال اور اس کے ارتقائی عمل کے جاری وساری ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ زندہ زبان کی ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کی کتابیں عہد جدید کے تقاضوں کو پورا کرتی ہوں اور قارئین کو ہمہ جہتی معلومات بہم پہنچاتی ہوں۔

دنیا کی دوسری جدید ترقی یافتہ زبانوں کی طرح اردو میں بھی ادبی، سماجی، سائنسی علوم وغیرہ پر کتابیں ملتی ہیں۔ بعض جدید ترین علوم کے اظہار وابلاغ کے لیے اس کے پاس ابھی وافر ذخیرہ الفاظ نہیں ہے مگر برصغیر کے مختلف اداروں میں اصطلاحات سازی کا کام منصوبہ بند طریقے پر چل رہا ہے اور امید ہے کہ یہ کمی جلد پوری ہو جائے گی۔

اپنے محدود بجٹ اور طباعت وغیرہ کے لیے مقامی طور پر مہیّا ناکافی وسائل کے باوجود اترپردیش اردو اکادمی سال بہ سال جو کتابیں شائع کر رہی ہے ان کو کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے قابلِ لحاظ کہا جا سکتا ہے۔ ان کی قیمتیں بھی بازار کی بہ نسبت کافی کم رکھی جا رہی ہیں۔ بچوں میں مطالعے کا شوق پیدا کرنے کے لیے ان کی دل چسپی کی کتابوں، یونی ورسٹی سطح کی نصابی اور حوالے کی کتابوں، تراجم، شعری اور نثری انتخابات اور جدوجہد آزادی سے متعلق ادبی سرمائے کی اشاعت اکادمی کے زیر اہتمام

چل رہی ہے۔

اس کے علاوہ اکادمی کا ایک انتہائی اہم کام، جس کی طرف بالعموم کم توجہ کی جا رہی تھی، قدیم ادبی شہ پاروں کی بازآوری اور دوبارہ اشاعت ہے تاکہ ان بنیادی مآخذ تک، جن پر تحقیق و تنقید کا دارومدار ہے، اردو والوں کی رسائی آسان ہو جائے۔

اشاعت کتب کا یہ سلسلہ لامتناہی ہے اور برابر جاری رہے گا۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور امید ہے کہ اکادمی کی دوسری مطبوعات کی طرح اس کتاب کو بھی پسند کیا جائے گا۔

اتر پردیش اردو اکادمی،
لکھنؤ

محمد رضا انصاری
چیرمین

ترتیب

فہرست شعراء

مقدمۂ مُرتّب

شعرائے اُردو کے ان دستیاب تذکروں میں جو شمالی ہند میں لکھے گئے ہیں، نکات الشعراء، تذکرہ ریختہ گویاں اور مخزن نکات کو قدامت کے لحاظ سے اوّلیت حاصل ہے۔ جہاں تک مخزن نکات کا سوال ہے، اس میں ایسے واضح اشارے موجود ہیں جن سے تیقن ہوتا ہے کہ یہ ۱۱۶۸ھ سے پہلے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ نکات الشعراء اور تذکرہ ریختہ گویاں میں تقدم زمانی کسے حاصل ہے۔ موجودہ مواد کی روشنی میں اس سلسلے میں کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔ تذکرہ ریختہ گویاں میں ترقیمہ موجود ہے جس پر اعتماد کرتے ہوئے یہ کہنا چاہیئے کہ یہ پانچ محرم الحرام ۱۱۶۶ھ کو مکمل ہو گیا تھا، نکات الشعراء میں نہ تو ترقیمہ ہے اور نہ کوئی دوسری داخلی شہادت جو اس کے زمانۂ تکمیل کی نشاندہی کر سکے۔ ہم زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ۱۱۶۵ھ میں یہ تذکرہ زیرِ تسوید تھا اور اگر بعض اہم قرائن کے پیشِ نظر ہم ۱۱۶۵ھ کو اس کا نقطۂ تکمیل تسلیم کر لیں تو یہ حقیقت بھی سامنے آئے گی کہ نکات الشعراء کو تذکرہ ریختہ گویاں پر جو تقدم حاصل ہے وہ چند یوم یا چند ماہ سے زیادہ نہیں۔ نکات الشعراء ۱۱۶۵ھ میں زیرِ تسوید تھا اور تذکرہ ریختہ گویاں اس وقت مکمل ہوا۔ جب ۱۱۶۵ھ کو گزرے ہوئے صرف چار دن ہوئے تھے، ان دونوں تذکروں کے ضمن میں تقدم زمانی کی بحث کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیئے۔ اہمیت ہے اس طرزِ فکر کی جس کے عمل اور ردِّ عمل کے یہ دونوں

تذکرے مظاہر ہیں !!

گردیزی نے بڑے معصوم اور نیاز مندانہ انداز میں اپنی تذکرہ نگاری کے محرکات سے دیباچے میں بحث کی ہے۔ ان کی نظر سے بعض تذکرے گزرے تھے جن میں معاصرین کے ساتھ ستم ظریفی روا رکھی گئی تھی اور ہم سروں کی نکتہ چینی کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اچھے شاعروں کو ان میں جگہ نہیں ملی تھی سو انھیں ایک ایسا تذکرہ لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو انصاف پر مبنی ہو۔ میر نے بھی نکات الشعراء کے سبب تالیف پر روشنی ڈالی ہے لیکن انھوں نے ذہانت سے کام لیا اور کہا کہ وہ تذکرہ اس لئے لکھ رہے ہیں کہ صفحۂ روزگار پر ریختہ گویوں کا نام اور کام باقی رہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ان کا تذکرہ کسی اور جذبے کی غمازی کر رہا ہے ــــــ وہی جذبہ جس پر گردیزی پیچ بچیں نظر آتے ہیں۔

میر نے جس زمانے میں دہلی کو اپنا وطن ثانی بنایا۔ وہاں کے شعراء ذہنی طور پر دو الگ الگ حلقوں میں تقسیم ہو رہے تھے۔ ایک حلقہ خان آرزو کے تلامذہ پر مشتمل تھا اور دوسرے حلقے میں وہ لوگ شامل تھے جو یا تو مرزا مظہر جانِ جاں کے شاگرد تھے یا ان کے معتقد۔ مرزا مظہر کو ایک روحانی پیشوا کی حیثیت سے جو مقام حاصل تھا، اس کا علم سب کو ہے۔ اس حلقے میں شعر گوئی کا کیا معیار تھا، یہ الگ بات ہے۔ کہنا صرف یہ ہے کہ اس حلقے کو حسنِ قبول حاصل کرنے کے لئے مرزا مظہر کی نسبت ہی کافی تھی۔ ایسے قرائن نہیں ملتے جن سے ہم یہ شبہ بھی کر سکیں کہ یہ حلقہ میر کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اس کے برعکس، اس حقیقت کے جگہ جگہ اشارے ملتے ہیں کہ میر اور حلقۂ مرزا مظہر ایک دوسرے سے کشاں کشاں رہے۔ میر جیسے بلند شعر گوئی کے عرفان اور اپنے حسنِ فکر کا بجا طور پر ناز تھا، اسے کیونکر برداشت کر سکتے تھے کہ ان کی شاعرانہ عظمت نہ تسلیم کی جائے۔ انھیں مرزا مظہر جانِ جاں

جیسے کسی بزرگ کی پشت پناہی تو حاصل نہیں تھی لیکن خان آرزو کی "قرابت قریبہ" بھی کمتر درجہ کی چیز نہیں تھی۔ خان آرزو کا شمار عمائدین میں ہوتا تھا ان کے بارے میں خود میر کا یہ خیال تھا کہ "ہمہ اُستادان مضبوط فن ریختہ شاگرد آں بزرگوار اند"۔ میر نے اپنا رشتہ خان آرزو کے حلقۂ تلامذہ سے جوڑا۔ وہ اپنے گھر شعر گوئی کی مجلسیں منعقد کرنے لگے اور رفتہ رفتہ اس حلقے کے سربراہ بھی ہو گئے۔ نہ صرف مراختہ کی مجلسوں میں بلکہ نجی کی ملاقاتوں میں بھی معاصرین کے افکار پر نکتہ چینی کی جاتی تھی اور یہی نکتہ چینی ان دونوں تذکروں کو وجود میں لانے کا سبب بنی۔

یہ دونوں تذکرے معاصرانہ چشمک کے مظاہر ہیں اور ایک کا مطالعہ دوسرے کے مطالعے کے بغیر نامکمل رہے گا۔ ان دونوں کو صدائے احتجاج کی حیثیت حاصل ہے۔ میر نے نکات الشعراء کے ذریعہ انعام اللہ خاں یقین اور مرزا مظہر جانِ جاں کے دوسرے تلامذہ کو ان کی حیثیت سے بلند مقام دیے جانے پر احتجاج کیا ہے، اور گردیزی نے تذکرۂ ریختہ گویاں میں حلقۂ میر کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالے کی کوشش کی ہے۔ ہمعصروں پر اظہار رائے کرنا یوں بھی بڑا نازک کام ہے اور جب اظہار رائے میں معاصرانہ چشمک کا عمل دخل ہو تو اس میں عدم توازن کا راہ پا جانا ناگزیر سا ہو جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ نکات الشعراء اور تذکرۂ ریختہ گویاں دونوں میں اعتدال و توازن کی کمی ملتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ میر کا موقف بڑی حد تک صحیح تھا اس لئے عدم توازن کے باوصف ان کے تذکرے میں ایک وقار ملتا ہے۔ گردیزی کا احتجاج انفعال آشنا ہے اور یہ اپنی شکست کی آواز معلوم ہوتا ہے۔ وہ شاعری کی بساط پر جن مہروں کی مدد سے میر کو مات دینا چاہتے تھے وہ درماندہ و پاشکستہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ گردیزی کے تذکرے کی قدر و قیمت کم سے کمتر ہوتی گئی اور میر کا نکات الشعراء زیادہ سے زیادہ اہمیت حاصل کرتا گیا

اس اجمال کی تفصیل کہ یہ تذکرے معاصرانہ چشمک کا نتیجہ ہیں، یہ ہے۔ میر نے صرف یہی نہیں کیا کہ احسن اللہ بیان، خواجہ محمد ظاہر خاں ظاہر، شیو سنگھ ظہور، سیتا رام عمدہ اور سلسلۂ مظہر جان جاں کے بعض دوسرے شعراء کا ذکر نہیں کیا بلکہ انعام اللہ خاں یقین، میر محمد باقر حزیں اور محمد فقیہ دردمند کے ساتھ جو مظہر جان جاں کے ارشد تلامذہ میں تھے اور جن کی شاعرانہ حیثیت مسلّم ہو چکی تھی، انصاف نہیں کیا۔ اس زمانے میں مظہر جان جاں شاعری ترک کر چکے تھے اور ان کے حلقۂ تلامذہ کی قیادت انعام اللہ خاں یقین کے حصے میں آ چکی تھی۔ میر نے سخت ترین حملہ یقین ہی پر کیا کہ میر کارواں کو زیر کرنا سب سے بڑی جیت ہوا کرتی ہے۔ میر نے چُن چُن کر اس حلقے کے شعرا کو ہدف طعن و تشنیع بنایا۔ خاکسار جو براہ راست جان جاں کے شاگرد نہیں تھے لیکن ان کے معتقدوں میں تھے، ان کے ذکر میں بڑے لطیف پیرایے سے مظہر جان جاں کا نام شامل کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ مظہر جان جاں کی تقلید خاکسار جیسے لوگ کرتے ہیں! اسی طرح قدرت اللہ قدرت کے ترجمے میں "عاجز از سخن است" کا جملہ لکھ دیا گیا۔ مصطفےٰ خاں یک رنگ جو تذکرے کی تسوید کے وقت زندہ نہیں تھے میر نے ان کو بھی نہیں چھوڑا۔ چونکہ ان کا تعلق مظہر جان جاں سے رہ چکا تھا اس لیے ان کے بعض اشعار کی اصلاح کر دی۔ جب یک رنگ موردِ عتاب ٹھہرے تو ان کے شاگرد کیوں بخشے جاتے، میر صلاح الدین عزت کھن پاکباز کے ترجمے میں "مزاجش خالی از وحشت نیست" کا جملہ بھی جگہ پاتا ہے۔

نکات الشعرا میں میر نے ان شعرا کو بھی اچھے الفاظ سے یاد نہیں کیا جن سے بوجوہ وہ خوش نہیں تھے۔ محمد علی حشمت کے ترجمے میں "اشعار پاجیانی گفت گیہا دارد" جیسے جملے ملتے ہیں کیونکہ یہ اکثر میر جیسے شاعروں پر بیجا اعتراضات کیا کرتے تھے۔ کمترین سے ان کی نہیں بنتی تھی (کمترین نے میر کی ہجو بھی لکھی ہے)

اس لئے اُن کے ترجمے میں یہ جملہ لکھا گیا "بندہ شعر معقول او نہ شنیدہ ام"۔ عاجز اپنے اُستاد کمتر حزیں کی وجہ سے ہدفِ ملامت بنتے ہیں۔

میر نے جن شعراء کی تعریف کی ہے یا جن کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا ہے، انھیں مندرجہ ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :۔

(الف) خان آرزو کے تلامذہ

(ب) میر کے اعزا اور تلامذہ

(ج) میر پر جن کے احسانات تھے

(د) جن سے میر کے ذاتی روابط تھے اور جو میر کے مدّاح تھے۔

ٹیک چند بہار اور حسن علی شوق خان آرزو کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کر چکے تھے اس لیے ان کی تعریف کی گئی۔ محمد حسین کلیم اور محمد محسن محسن میر کے قریبی رشتہ داروں میں تھے اور عبدالرسول نثار اور میاں جگن ان کے تلامذہ میں تھے اس لئے ان کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کیا گیا۔ ہاں بندرا ابن راقم ان کی شاگردی سے نکل گئے تھے اس لئے بڑے اچھے انداز میں ان پر سرقے کا الزام عائد کیا گیا اور انھیں نومشق کہا گیا۔ میر درد کے حلقے میں ان کے شاندار مستقبل کی بشارت دی گئی، اس لیے ان کی تعریف کی گئی۔ اسی بنیاد پر درد کے شاگرد ہدایت اللہ ہدایت بھی تعریفی کلمات کے مستحق قرار پائے۔

اسد یار خاں انسان، سعادت علی سعادت، شرف الدین پیام، اور نجم الدین سلام میر کے محسنوں میں تھے، اس لئے ان کو اچھے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ کرم اللہ درد، اشرف علی فغاں، میر حسن اور عارف وغیرہ سے ان کے ذاتی مراسم تھے، اس لئے ان کی مدح لازم تھی۔ یہی نہیں، میر گھاسی کے ساتھ بھی ہمدردانہ رویہ روا رکھا گیا ہے کیونکہ خود ان کے الفاظ میں میر گھاسی

"بامن آشنا است"۔

اس تفصیل سے یہ واضح کرنا مقصود نہیں ہے کہ میر نے جن کی مذمت کی ہے وہ لائق تحسین تھے یا جن کی تعریف کی گئی ہے وہ مذمت کے قابل تھے میں صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس طرح کی تحسین و تنقیص کا محرک صحیح جذبہ تنقید نہیں بلکہ یہ تذکرہ محض معاصرانہ چشمک کی وجہ سے منصۂ شہود پر آیا ورنہ میر کی تنقیدی بصیرت ایسی نہیں تھی کہ وہ میاں جگن اور میر گھاسی کی تعریف کرتے اور بندرابن راقم اور قدرت اللہ قدرت کی تنقیص! نکات الشعراء میں شمالی ہند کے صرف چند شعراء ملتے ہیں جن کی میر نے تحسین کی ہے لیکن سبب تحسین واضح طور پر نہیں معلوم ہو سکا یا جن کی تنقیص کی گئی ہے مگر محرک تنقیص کا پتہ نہیں چلتا۔ جب تک تنقیص و تحسین کے واضح اسباب کا علم نہیں ہو جاتا انھیں مستثنیات میں شمار کرنا چاہیئے۔

اسی طرح کی افراط و تفریط گردیزی کے یہاں بھی ملتی ہے مگر ذرا سنجیدہ لہجے میں۔ چونکہ گردیزی فکر و نظر کے لحاظ سے میر کے عشر عشیر بھی نہیں تھے اس لئے نہ تو ان کی تحسین میں کوئی زقعت ہے اور نہ تنقیص میں کوئی وزن۔ ان کا سارا زور عبارت آرائی میں صرف ہو کر رہ گیا۔ یہی کیا کم ہے کہ وہ مسجع اور مقفیٰ جملوں میں اُن شعراء کی تعریف کر لیتے ہیں جنھیں میر نے ہدف ملامت بنایا تھا۔ گردیزی کے یہاں اگر کوئی خوبی ہے تو یہی لب و لہجہ کا اعتدال۔ وہ میر کی طرح جارح اور حملہ آور نہیں، وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر پاتے کہ میر کے لئے بلند قسم کے تعریفی جملے استعمال کریں اور ان کا صرف ایک شعر مثال میں پیش کر سکیں یا انعام اللہ یقین کے لئے خوب صورت الفاظ صرف کر کے ان کے کلام کا طویل اقتباس پیش کر لیں۔ دراصل میر نے اپنی پسند اور ناپسند کو جیتی جاگتی صورت میں اور مؤثر طور پر صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا، گردیزی اپنے دل کی بھڑاس بھی نہیں نکال سکے۔

ـــــ اور جن کے پاس تخلیقی صلاحیت نہیں ہوتی، ان سے اس سے زیادہ کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی![1]۔

قرائن یہ بتاتے ہیں کہ نکات الشعرا اور تذکرہ ریختہ گویاں بیک وقت زیر تسوید تھے اور دونوں کے مصنفین کو ایک دوسرے کے مجوزہ مشمولات کا کسی نہ کسی ذریعے سے علم ہوتا رہتا تھا۔ ختم پہلے کس نے کیا، یہی سوال اب تک حل نہیں ہوا لیکن میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ اس سوال کی چنداں اہمیت نہیں۔

میر نے یہ تذکرہ بڑی روا روی میں لکھا۔ ان کے سامنے شعرا کی ترتیب کا کوئی اصول نہیں تھا۔ انھوں نے نہ تو شعرا کی تقسیم طبقات کے لحاظ سے کی اور نہ ان کا ذکر حروف تہجی یا حروف ابجد کی ترتیب سے کیا۔ شعرائے دکن کا ذکر ایک ایک مختصر سی تمہید کے ساتھ وسط کتاب میں آجاتا ہے اور پھر اس کے بعد کسی تمہید کے بغیر شمالی ہند کے شعرا جگہ پاتے ہیں۔ شعرائے دکن والے حصے کی بات کسی قدر سمجھ میں آجاتی ہے۔ یہ حصہ عبدالولی عزلت کا رہین منت معلوم ہوتا ہے۔ عزلت ۱۱۶۴ھ کے وسط میں دہلی آئے۔ ان کی ملاقات میر سے بھی ہوئی۔ میر نے ان کی بیاض سے بھرپور استفادہ کیا[2]۔ جوں ہی میر کو عزلت کی بیاض ملی ہوگی انھوں نے

---

(۱) یہاں اس حقیقت کا اعادہ بے محل نہ ہوگا کہ صاحب مجموعۂ نغز قدرت اللہ قاسم کا سلسلۂ تلمذ و تتبع دشاعری میں بھی اور مسلک میں بھی مظہر جان جاں سے ملتا ہے۔ خود گردیزی سے قاسم کا تعلق بڑا گہرا رہا ہے۔ ایسی صورت میں میر کے نکات الشعرا کے سلسلے میں قاسم کے بیانات کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے۔ یہ خیال حقیقت سے قریب ہے کہ میر کے خلاف جو غبار گردیزی نکالنا چاہتے تھے وہ قاسم نے نکالا۔

(۲) میر نے سعدی کے ترجمے میں اس کی وضاحت [illegible] کا تعلق دکن سے [illegible] بہت ممکن ہے کہ یہ بات میر کو اور گردیزی کو بھی عزلت کی بیاض سے معلوم ہوئی ہو۔

اس کی مدد سے اپنے تذکرے میں شعرائے دکن کا حصہ شامل کر لیا اور پھر شمالی ہند کے باقی شعراء کا ذکر مکمل کیا۔ میر کی اس روش سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ وہ جلد از جلد اس کام کو جیسے تیسے ختم کر لینا چاہتے تھے۔ ذکرِ میر میں انھوں نے اپنی جن مصروفیات اور مہمات میں شرکت کی تفصیل فراہم کی ہے۔ اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ زیرِ بحث زمانے میں انھیں دہلی میں جم کر کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔

نکات الشعراء کی خصوصیات پر اہلِ نظر نے بہت کچھ کہا ہے یہاں ان کا اعادہ تحصیلِ حاصل ہوگا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت تو یہی ہے کہ یہ ہمارے ایک ایسے شاعر کے رشحاتِ قلم ہیں جس نے غزل کی تقدیر بدل دی۔ ایسے شاعر کا ایک ایک جملہ بلکہ ایک ایک حرف ہمارے کام آ سکتا ہے اور پھر نکات الشعراء میں تو میر کی شخصیت بھر پور طریقے سے جلوہ گر ہوئی ہے اس لئے اس کے مطالعے کی اہمیت کبھی کم نہیں ہوگی۔ یہ درا صل دوسرے شاعروں کا تذکرہ کم اور خود میر کا اپنا تذکرہ زیادہ ہے۔

نکات الشعراء کو اگرچہ قبولِ عام ملا لیکن اس کے قلمی نسخے تعجب خیز حد تک کمیاب ہیں۔ انجمن نے اسے دو بار شائع کیا۔ پہلی بار ۱۹۲۲ء میں مولوی حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کے مقدمے کے ساتھ اور دوسری بار ۱۹۳۵ء میں مولوی عبدالحق کے حواشی اور مقدمے کے ساتھ۔ شیروانی مرحوم کے مقدمے میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ یہ نسخہ انجمن کو کہاں سے ملا تھا اور اس کی کتابت کب اور کہاں ہوئی تھی۔ مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمے میں نسخے کی تفصیل دی ہے لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں اشاعتوں کا متن ایک ہی خطی نسخے پر مبنی ہے۔ نامکمل اور مبہم عبارتیں بھی دونوں میں مشترک ہیں۔ ہاں کہیں کہیں ایسے اختلافات ضرور ملتے ہیں جن سے شبہ ہو سکتا ہے کہ دونوں اشاعتوں کا متن دو مختلف خطی نسخوں کے

مبنی ہے لیکن یہ اختلافات الفاظ کے حذف و اضافہ تک محدود ہیں جنھیں سہو کتابت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے، یہاں دوسری اشاعت کے چند جملے نقل کیے جاتے ہیں۔ جن الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے، وہ نسخۂ شیروانی یعنی اشاعت اول میں محذوف ہیں:-

ص ۱ :- مسمی بہ نکات الشعرا است

ص ۸ :- پسر غنی بیگ

ص ۱۰ :- بندہ از احوال او

ص ۵۰ :- حُسنِ سلوک او عام

اسی طرح نسخۂ شیروانی کے بعض الفاظ اشاعت ثانی میں محذوف ہیں مثلاً اس کے ص ۲۴ پر "با او یک دو ملاقات کردہ بودم" ہے اور اشاعت ثانی میں "با او یک ملاقات کردہ ام" ہے۔ اسی طرح نسخۂ شیروانی کے ص ۱۴۳ پر شعر بمشورت من می گوید" ہے اور اشاعت ثانی میں لفظ شعر محذوف ہو گیا ہے۔

کہیں کہیں کئی جملے محذوف ہو گئے ہیں لیکن یہ سارے محذوفات سہو کتابت کے ذیل میں آجاتے ہیں، دونوں اشاعتوں میں ایک ہی مفہوم کی دو مختلف روایتوں کی مثالیں نہیں ملتیں! ورنہ جملوں کی ساخت اور ترتیب کا کوئی فرق ملتا ہے۔ اس لئے یہ گمان ہوتا ہے کہ دونوں اشاعتیں ایک ہی خطی نسخے پر مبنی ہیں۔ ہاں اگر دونوں اشاعتیں دو الگ الگ نسخوں پر مبنی ہیں تو اتنی بات یقینی ہے کہ ان میں سے ایک کو منقول عنہ اور دوسرے کو نقل کی حیثیت حاصل ہے۔ بہر حال ہمیں کا مقصد یہ ہے کہ نکات الشعرا کے خطی نسخوں کی کمی کی وجہ سے اب تک ان عبارتوں کی تصحیح نہیں ہو سکی جو متداول اشاعتوں میں مبہم تھیں (۱)۔

---

(۱) رضا لائبریری رام پور میں نکات الشعرا کا ایک ناقص نسخہ موجود ہے۔ آزاد لائبریری علیگڑھ میں

پیرس کے قومی کتب خانے میں نکات الشعرا کا ایک خطی نسخہ موجود ہے۔ اگرچہ اس کے کاتب نے دکن کے اکثر شعرا کا ذکر جان بوجھ کر حذف کر دیا ہے۔ پھر بھی کئی حیثیتوں سے اہم ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں ترقیمہ موجود ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کتابت سنہ ۱۱۷۸ھ میں سورت میں ہوئی تھی۔ نکات الشعرا کی اشاعت ثانی جس خطی نسخے پر مبنی ہے، اس کی کتابت سنہ ۱۱۷۲ھ میں ہوئی تھی، نسخۂ پیرس کی کتابت اس کے چھ سال بعد ہوئی۔ سنہ ۱۱۷۲ھ والا نسخہ سید عبدالولی عزلت کی فرمائش پر لکھا گیا تھا، ان کا سورت سے گہرا تعلق تھا، یہ بعید از قیاس نہیں کہ نسخۂ پیرس کی کتابت کے سلسلے میں عزلت کا تعاون و مشورہ شامل رہا ہو۔ نسخۂ پیرس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے وہ بیانات واضح ہو جاتے ہیں جو مطبوعہ نسخہ میں کسی وجہ سے مبہم اور غیر واضح رہ گئے ہیں۔ اس طرح مطبوعہ نسخہ کی تصحیح و توثیق کے لئے اسے قدیم ترین آخذ کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ دونوں نسخے کے متن میں کہیں کہیں معمولی اختلافات بھی ہیں جو اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ میرؔ نے تذکرے پر نظر ثانی کی تھی لیکن ان دونوں میں اصل متن کی نقل کون ہے اور کون اصلاح شدہ متن کی نقل، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

نسخۂ پیرس میں ۵۰ اوراق ہیں۔ پہلے ورق کا بالائی حصہ ضائع ہو گیا ہے مگر اچھی بات یہ ہے کہ اس کی وجہ سے کتاب کا متن متاثر نہیں ہوا۔ پہلے صفحے پر دو عبارتیں ہیں، ایک ناقص اور دوسری مکمل۔ پہلی عبارت سے کتاب کا نام واضح ہوتا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷) ایک تذکرے کے چند اوراق ملتے ہیں لیکن ان نسخوں کو متن کی تصحیح کے لئے ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

کتاب کے مصنف کا نام ضائع شدہ حصے میں رہا ہوگا مگر "تلمیذ قدوۂ اہل معانی، سراج الدین علی خاں صاحب آرزو" کا فقرہ واضح ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کاتب میر کو خان آرزو کا شاگرد سمجھتا تھا۔ دوسری عبارت سے اس کتاب کی ملکیت واضح ہوتی ہے۔ عبارت یہ ہے:

"ایں کتاب تذکرۂ میر را حاجی میر جعفر محمد قبلہ میر گوہر علی مرحمت نمودہ بتاریخ بست یکم ماہ شعبان ۱۲۱۴ھ ہجری کہ از گجرات آمدہ بودند۔"

صفحہ ۲ سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ اس صفحے پر مقدمہ ہے اور امیر خسرو کے ترجمے کے ابتدائی فقرے۔

اس کا ورق نمبر ۲ (صفحات ۳ و ۴) غائب ہے۔ ورق نمبر ۳ سے آخر کتاب تک اوراق مسلسل ہیں۔ آخری صفحے پر یہ ترقیمہ ہے:

"بتاریخ ہفدہم شہر شوال روز چہارشنبہ ۱۱۶۰ھ ہجری در بندر سورت بموجب خواہش جمیع دوستاں بہ اتمام رسید"

نسخۂ انجمن میں ۱۰۲ شعراء کا ذکر ملتا ہے، اس میں صرف ۶۶ شعراء کو جگہ ملی۔ کاتب نے دکن کے اکثر شعراء کا ذکر یہ کہہ کر حذف کر دیا:

"واکثر مذکور شعرائے متقدمین و آیہ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ٥ در شانِ شاں ست۔ مؤلف ایں تذکرہ از کار شاں رامعہ شعرہائے بے ہودہ پوچ لایعنی نوشتہ بود۔ چوں کاتب را تصدیع بود، اوقات عزیز خود را ضائع نمود نہ ہمیں احمد گجراتی و قاسم گجراتی اکتفا نمود بقول قدیم مشتے نمونہ خروارے"

کاتب نے جن شعراء کا ذکر حذف کیا ہے، ان کی فہرست یہ ہے:

شوری ، فضلی ، صبائی احمد آبادی ، محمود ، سالک ،
ملک ، لطفی ، فخری ، ہاشم ، ہاتفی ، اشرف ،
غوامی ، خوشنود ، جعفر ، عبدالرحیم ، عبدالبر ،
عزیزالشر ، سعدی ، بیچارہ ، حسن ، مرزا داؤد ،
خواجم قلی خاں ، میر گھاسی ، عشاق ۔

ان کے علاوہ ورق ۲ کے غائب ہوجانے سے عبدالقادر بیدل، سراج الدین علی خاں آرزو اور مرزا معز فطرت موسوی کے ترجمے بھی معدوم ہو گئے۔ گویا ۱۰۳ شاعروں میں ۲۷ شعرا کا ذکر نسخۂ پیرس میں نہیں ہے۔ اس میں ایک نئے شاعر عطا بیگ ضیا کے ترجمے کا اضافہ ہے[1]۔ اس طرح شامل تذکرہ شعرا کی تعداد ۷۷ ہوجاتی ہے۔

اس ترتیب نو میں نسخۂ انجمن ہی کو بنیاد بنایا گیا ہے، کیونکہ یہ مکمل بھی ہے اور قدیم تر بھی۔ نسخۂ پیرس سے متن کی تصحیح کی گئی ہے۔ متن کی تصحیح و توثیق میں کہیں کہیں تذکرۂ شورش کے اس خطی نسخے سے بھی استفادہ کیا گیا ہے جو کتب خانہ رشیدیہ جون پور میں محفوظ ہے۔ شورش نے میر کے بیانات کو کہیں کہیں من وعن نقل کرلیا ہے اور اس کا حوالہ بھی دے دیا ہے۔ اس طرح اس کی مدد سے نکات الشعرا کے

(۱) صاحب گلشن سخن کے ایک بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تذکرۂ میر کی کوئی ایسی روایت تھی جس میں جنوں کا ترجمہ بھی شامل تھا لیکن جو شعر انھوں نے تذکرۂ میر کے حوالے سے جنوں کی طرف منسوب کیے ہیں وہ دراصل جنون الہ آبادی کے ہیں (دیکھیے ریاض الفصحا، گلزار ابراہیم، تذکرۂ عشقی) عشقی نے جنون الہ آبادی کے بارے میں لکھا ہے کہ "جوانے طالب العلم مستعد است"، ص ۷۰ — ۱۶۹
ان تذکروں کے بیانات کی روشنی میں صاحب گلشن سخن کا بیان قابل اعتنا نہیں رہ جاتا۔

بعض حصّوں کا متن تیار کیا جا سکتا ہے۔ نسخۂ شورش میں میرؔ کے جو بیانات نقل ہوئے ہیں وہ مطبوعہ نسخوں کے متن سے زیادہ مماثل ہے۔ اگرچہ نسخۂ انجمن کے متن کو بنیاد بنایا گیا ہے لیکن کہیں کہیں نسخۂ پیرس کے الفاظ کو متن کے لئے ترجیح دی گئی ہے اور نسخۂ انجمن کے الفاظ حاشیے میں لکھ دیے گئے ہیں۔

متن کی ترتیب میں ذیل کا طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے:۔

(الف) جو حروف یا فقرے یا جملے نسخۂ انجمن میں ہیں لیکن نسخۂ پیرس میں نہیں ہیں ان پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔

(ب) نسخۂ پیرس کے اہم اضافوں کو متن میں شامل کر لیا گیا ہے۔ امتیاز کے لئے یہ اضافے قلابین ( ) میں درج کئے گئے ہیں۔

(ج) اختلاف نسخ کی وضاحت حاشیے میں کی گئی ہے۔ مختلف نسخوں کے لئے یہ علامتیں کام میں لائی گئی ہیں:

نکات الشعراء کی پہلی اشاعت = شیروانی

نکات الشعراء کی دوسری اشاعت = انجمن

نکات الشعراء کا نسخۂ پیرس = پیرس

تذکرۂ شورش نسخۂ جون پور = شورش

(د) نسخۂ انجمن اور نسخۂ پیرس کے اشعار کا متن بھی کہیں کہیں مختلف ہے لیکن اصل کتاب میں نسخۂ انجمن کا متن دیا گیا ہے۔

(ہ) دونوں نسخوں کے اشعار کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ نسخۂ پیرس میں جن اشعار کا اضافہ ہے، انھیں متن میں شامل کر لیا گیا ہے اور امتیاز کے لئے ان کا اندراج قلابین میں ہوا ہے۔

جو اشعار نسخۂ انجمن میں لیکن نسخۂ پیرس سے غیر حاضر ہیں، ان کے شروع کے الفاظ پر خط کھینچ دیا گیا ہے۔

میں اپنے عزیز دوست مرزا سعید الظفر چغتائی، اُستاد شعبۂ طبیعات، مسلم یونی ورسٹی علیگڑھ کا شکر گزار ہوں۔ ان کی کوششوں سے اس نسخے کا عکس مجھے ملا۔ موصوف ۱۹۶۳ء میں گورکھپور یونیورسٹی چھوڑ کر اعلیٰ تعلیم کے لئے فرانس روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے پیرس کے قومی کتب خانے میں محفوظ اُردو مخطوطات کا مطالعہ کیا اور ان کی تفصیلات سے مجھے مطلع کیا۔ میری درخواست پر انھوں نے نکات الشعرا کا عکس بھی فراہم کر دیا۔

اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں میرے رفیق کار ڈاکٹر احمر لاری اور شعبۂ اُردو، دہلی یونیورسٹی کے اُستاد ڈاکٹر عبدالحق صدیقی کا خلوص بھی شامل رہا ہے۔ میں ان کا شکر گزار ہوں۔

جناب نسیم احمد، مالک دانش محل، لکھنؤ کا شکریہ ادا کرنا میرے فرائض میں داخل ہے جن کی توجہ سے اس کتاب کی اشاعت کی نوبت آئی۔

محمود الٰہی

شعبۂ اُردو، گورکھپور یونی ورسٹی
۲۷ دسمبر ۱۹۶۰ء

مقدّمۂ مصنّف

بعد حمد سخن آفریناں کہ اوست سزاوار تحسین و درود نامحدود بر آں شفیع المذنبین وعلیٰ آلہٖ اجمعین کہ مقصود بود از آسمان و زمین۔

پوشیدہ نماند کہ در فن ریختہ کہ شعریست بطورِ شعر فارسی بزبانِ اُردوئے معلّٰی شاہجہان آباد دہلی، کتابے تا حال تصنیف نشدہ کہ احوالِ شاعرانِ ایں فن بصفحۂ روزگار بماند۔ بنا؟ علیہ ایں تذکرہ کہ مسمّٰی بہ نکات الشعراء است، نگاشتہ می شود۔

اگرچہ ریختہ از دکن است،[1] چوں از آں جا یک شاعرِ مربوط برنخواستہ لہذا شروع بنام آنہا نکردہ و طبعِ ناقص مصروفِ ایں ہم نیست کہ از احوالِ اکثر آنہا ملال اندوز گردد مگر بعضے از آنہا نوشتہ خواہد شد، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

امید کہ بدست ہر صاحب سخنے بیاید، بنظرِ شفقت بکشاید۔

---

(۱) انجمن : دد

امیر خسرو

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ[1] ۔ مجمع کمالات و صاحب حالات (و) فضائل او اظہر[2] من الشمس است ۔ احوال امیر مذکر در تذکرہ ہا مسطور، نوشتنِ ایں احقر العباد فضولیست ۔

اشعار ریختہ آں بزرگ بسیار دارد ۔ دریں خود تردد سے نیست ۔ ازانجملہ یک قطعہ تیمناً نوشتہ آید :۔

زرگر پسرے چو ماہ پارا ۔ کچھ گھڑیئے سنوار سُیے پکارا
نقدِ دل من گرفت وشکست پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

بیدل

مرزا عبد القادر بیدل ۔ شاعر پر زور فارسی، صاحب دیوان پنجاہ ہزار بیت و مثنویات وغیرہ ۔ اوائل[3] جوانی نوکر شاہزادہ محمد اعظم شاہ بود ۔ بعد از چندے ترک روزگار گرفتہ فرو کش کرد ۔ از مذاق شعر او دریافتہ می شود کہ بہرۂ کلی از عرفان داشت ۔ احوالش مفصلاً در تذکرہ ہا مرقوم است ۔ دو شعر ریختہ بنام او شنیدہ می شود ، شاید بتقریبے گفتہ باشد، از وست :۔

---

(۱) پیرس : قدس سرہ ۔

(۲) اس فقرے پر نسخۂ پیرس کا صفحہ ۲ ختم ہوتا ہے ۔ اس کے بعد کی عبارت نہیں ملتی، کیونکہ اس نسخے سے ورق ۲ غائب ہے ۔

(۳) شورش : در اوائل ۔

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

آرزو

سراج الدین علی خاں آرزو۔ آب و رنگ باغ نکتہ دانی، چمن آرائے گلزار معانی ۔ متصرف ملک زور طلب بلاغت، پہلوان شاعر عرصۂ فصاحت، چراغ دودمان صفائے گفتگو کہ چراغش روشن باد، سراج الدین علی خاں آرزو سلمہ اللہ تعالیٰ ابدا۔ شاعر زبردست قادر سخن عالم و فاضل تا حال ہمچو ایشاں بہند و ستدوستان جنت نشان ہم نرسیدہ بلکہ بحث در ایران می رود ۔ شہرۂ آفاق، در سخن فہمی طاق صاحب تصنیفات دہ پانزدہ کتب و رسالہ و دیوان و مثنویات ۔ حاصل کمالات ایشاں از حیزۂ بیان بیروں است ۔ ہمہ استادان بخصوص فن ریختہ ہم شاگردان آں بزرگوار اند۔ گاہے برائے تفنن طبع دو سہ شعر ریختہ فرمودہ ، ایں فن بے مزہ کہ ما اختیار کردہ ایم، اعتبار دادہ اند، تبرکاً نوشتہ آمد :-

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں زندگانی کا کیا بھروسا ہے

مے خانہ بیچ جا کر شیشے تمام توڑے
زاہد نہیں آج اپنے دل کے پھپھولے توڑے

رکھے سیپارۂ گل کھول آگے عندلیبوں کے
چمن میں آج گویا پھول ہیں تیرے شہیدوں کے

وعدے تھے سب خلاف جو تجھ لب سے ہم سُنے یہ لعل قیمتی دیکھو، جھوٹا نکل گیا

ہر صبح آ دتا ہے تیری برابری کو   کیا دن لگے دیکھو خورشید خاوری کو

معز فطرت موسوی

مرزا معز فطرت موسوی [illegible] موسوی خاں خطاب است۔ معز و فطرت و موسوی ہر سہ تخلص می کند۔ احوال او من وعن در تذکرہ سراج الدین علی خاں صاحب کہ استاد و پیر مرشد بندہ است، مسطور، ہمچو مسموع است کہ این شعر ریختہ شاعر مرقوم گفتہ، واللہ اعلم۔

از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے
در خانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

مظہر جانجاں

مرزا جانِ جاں، مظہر تخلص، مردیست مقدس، مطہر، درویش، عالم، صاحبِ کمال، شہرۂ عالم، بے نظیر، معزز، مکرم۔ اصلش از اکبر آباد است، پدرِ او مرزا جان نام داشت۔ از[1] فرط شفقت (پدری) مرزا جانِ جاں می گفت۔ ازیں سبب بہمیں اسم موسوم است[2]۔ بندہ بخدمت او (شاں) رفتہ سعادت اندوز گشتہ است۔ اکثر اوقات در یاد الٰہی صرف می کنند[3] (و) خوش تقریر بمرتبۂ است کہ در تحریر نمی گنجد۔ دیوان مختصر شعر فارسی او (شاں) بنظر فقیر مؤلف آمدہ است۔ از (شعر) سلیم و (کلام) کلیم پایے کمی ندارد۔

---

(۱) نسخۂ پیرس کا ورق ۳ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) پیرس : گشت

(۳) پیرس : نمامنند

اگرچہ شعر (ہندی) گفتن دون مرتبہ است لیکن گاہے متوجہ ایں فن بے حاصل نیز می شود[1]۔ (و) انعام اللہ یقین و حزیں کہ شاعر (ان) ریختہ اند، شاگردان اویند[2]۔ غرض مرزا (جانِ جاں مظہر) عجب کسے است، (من کلامہ) :-

خدا کے واسطے اس کوں نہ ٹوکو یہی ایک شہر میں قاتل رہا ہے

جواں مارا گیا خوبوں کے اوپر میرزا مظہر
بھلا تھا یا برا تھا، زور کچھ تھا، خوب کام آیا

(غزل)

(اوس گل کو بھیجنا ہے مجھے خط صبا کے ہات
اس واسطے لگا ہوں چمن کی ہوا کے ہات)

(کب چھوٹتا ہے، پھر کے جو مفلس گرو رکھے
اب تو پھنسا ہے آن دل اس بیوفا کے ہات)

ڈرتا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر
سورج کے ہات چرتری و پنکھا صبا کے ہات

(آزاد ہو رہا ہوں دو عالم کی قید سے
مینا لگا ہے جب سیتیں مجھ بے نوا کے ہات)

(مظہر چھپا کے رکھ دل نازک کتیں ترے
یو شیشہ پہنچتا ہے کسی میرزا کے ہات)

کسی کے خون کا پیاسا، کسی کی جان کا دشمن
نہایت منھ لگایا ہے سجن نے بیڑۂ پاں کو

---

(۱) پیرس: می شدند

(۲) پیرس: اوشان اند

نے کی ہے توبہ اور ڈھو میں مچاتی ہے بہار
ہائے کچھ چلتی نہیں کیا مفت جاتی ہے بہار

نش کہو، شرارہ کہو، کوئلا کہو ست اس ستارہ سوختہ کو دل کہا کرد
رنگل کو گل کہوں تو ترے رو کوں کیا کہوں
بولوں نگہ کو تیغ تو ابرو کوں کیا کہوں

اشتیاق

شاہ ولی اللہ اشتیاق۔ مردے بود ذی علم۔ از اولادِ شیخ (مجدد)[1] ثانیست۔ نبیرۂ شاہ محمد گل، مولد او سرہند است۔ در کوٹلہ فیروز شاہ وقت داشت۔ درویش متوکل، گاہے فکر ریختہ می کرد (دایں اشعار) از وست:۔

لوں کے پتھر دل کی لگے کیونکہ اس کو چوٹ
ہر یک گرد باد ہے مجنوں، تو دھول کوٹ
مڑ کر تجکو ہیں اور سے جو لاگ لگی
نہیں مہندی، یہ تیرے تلووں سیتی آگ لگی
ں جو، ہجر کی باتیں ہمیں سناتے ہیں پھر ان کا دوس نہیں یہ خدا کی باتیں ہیں

اُمید

قزلباش خاں اُمید۔ مردے مغلے بود۔ شاعر غراے فارسی، نکتہ پرداز، بذلہ سنج، دل، عزیز دلہا، یار باش، خوش اختلاط، ہمیشہ خنداں و شگفتہ رو (..[2] اوقات عزیز

---

۱) نسخے میں مجذوب ہے۔

۲) نسخہ میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔

خود را بخوشی و خرمی) بسر (می) برد۔ داخل ذیل امرا (و خوانین) بود۔ در ہر سیر و تماشا می رفت و صحبتہا (با یاران یک دل و صاحب طبیعت) می داشت۔ چنانچہ یک روز در عرس سید حسن رسول نما صاحب قدس سرہ العزیز بندہ نیز بتحریک یاران موافق رفتہ بود (م) ۔ و او ہم تشریف می داشت ۔ چوں مرا از دور دید، گفت کہ خوش باشد کہ من ہم دریں ایام دو شعر ریختہ موزوں کردہ ام، بشنوید از وست :۔

در و دیوار سے اب حسرت ہے　　　یار بن گھر میں عجب حسرت ہے
تیری آنکھوں کو دیکھ ڈرتا ہوں　　　الحفیظ الحفیظ کرتا ہوں

مرزا گرامی

مرزا گرامی ۔ پسر غنی بیگ کشمیری است کہ قبول تخلص می کرد۔ نقل احوال او در تذکرۂ خاں صاحب مرقوم است ۔ چوں دید کہ ہنگامۂ ریختہ گرم شدہ، خودش نیز شعر ریختہ گفت و بطورے کہ داشت و آں اینست :۔

حاضری بن محل نہیں کھاتا
بیگمی ہے پنیر منعم کا

مخلص

رائے آنند رام مخلص تخلص مشہور ۔ از شاہ جہان آباد ست ۔ (و) وکیل نواب وزیر اعتماد الدولہ مغفور و مرحوم، شاعر مقرر ے فارسی ۔ در عنفوان جوانی مشق سخن بخدمت مرزا بیدل می کرد (و) دریں ایام اشعار خود را از نظر خاں صاحب سراج الدین علی خاں می گزرانید (و) از مدت آزار نفث الدم داشت ۔ قریب یک سال است کہ در گذشت ۔ احوالش در تذکرۂ خاں صاحب

مذکور مفصل مسطور است :-

دھوم آنونے کی کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ اندگچھے کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

آبرو

میاں نجم الدین عرف شاہ مبارک متخلص بآبرو، متوطن گوالیار، نبیسۂ حضرت محمد غوث گوالیاری است، نوراللہ مرقدہ[1] - از ابتدائے جوانی در شاہ جہان آباد آمدہ - چنانچہ مشق سخن ہم اینجا کردہ - شاگرد خان صاحب سراج الدین علی خان است - از چشم پوشی روزگارِ دجال - شعار یک چشمش از کار رفتہ بود - شاعر نادرہ گوئے ریختہ - می گویند کہ طبعے شوخے داشت - غرض مستغنی[2] وقت خود بود کہ عہد محمد شاہ پادشاہ باشد[3] - خدایش مغفرت بہ کند (چند اشعار متفرق) از وست :

آیا ہے صبح نیند سے اُٹھ رسمساہوا — جامہ گلے میں رات کا پھولوں بسا ہوا
جوانی کے زمانہ کی بیاں کیا زیادتی کیئے — کہ اس ظالم کی جو ہم پر گھڑی گذری سو جگ بیتا
بوسہ لبوں کا دینے کہا، کہہ کے پھر گیا — پیالہ بھرا شراب کا افسوس گر گیا
قول آبرو کا تھا کہ نہ جاؤں گا اس گلی — ہو کر کے بے قرار دیکھو آج پھر گیا
مشتاق عذر خواہی نہیں آبرو تو کینہ ہے — یہ روٹھ روٹھ چلنا چل چل کے پھر ٹھٹھکنا

فرہاد کا دل کوہ کو مے کا بھرا پیالا ہوا
مستی سے جس کے شوق کی ہر سنگ متوالا ہوا

(۱) پیرس : قبرہ
(۲) پیرس : مستثنیٰ
(۳) پیرس : در عہد محمد شاہ بادشاہ باشد

دل کے اوپر بہار میں احوال سخت دیکھ ٭ سے مارتی ہے باغ میں سر کو کلی اٹھا

یہ سبزہ اور یہ آب رواں اور ابر یہ گھرا ٭ دوانا نئیں کہ میں گھر میں رہوں اب چھوڑ کے صحرا

گر یہ ہے مسکرانا تو کس طرح جئیں گے ٭ تم کو تو یہ ہنسی ہے پر ہے مرن ہمارا

یارو دڑ و کمرے مڑ دڑ و نہ بھر کے انگ

آجا کہیں لچک تو ابھی لاگ جائے لنگ

دور خاموش بیٹھ رہتا ہوں ٭ اس طرح حال دل کا کہتا ہوں

سر سے لگا کے پاؤں تلک دل ہوا ہوں میں

یہاں لگ ہنر میں عشق کے کامل ہوا ہوں میں

دل کب آوارگی کو بھولا ہے ٭ چاک اگر ہو گیا بگولا ہے

آغوش میں بھواں کی کرتی ہیں قتل آنکھیں

کوئی پوچھتا نہیں ہے مسجد میں خوں ہوا ہے

کرتے تو ہو تغافل پر حال آبرو کا ٭ دیکھو تو تم بھی پیارے بے اختیار کو دو

نہیں یہ تارے بھرے ہیں شک کے نقطے ٭ اس قدر نسخۂ فلک سے ہے غلط

اگر بجائے اس قدر، کس قدر می گفت، ایں شعر بآسماں می رسید۔

مجھ ناتواں کی حالت وہاں جا سکے ہے اُڑ کر

میرا یہ رنگ رو ہے گویا لکھی کبوتر

عالم آب سیں آساں نہیں اے شیخ گزر

خوف سے غرق کے یہاں بحر ہے کشتی میں سوار

خوب تیری شکل آسکتی نہیں تصویر میں

مدتیں گزریں مصور کھینچتا ہے انتظار

کریں جو بندگی ہو ویں گنہ گار — بتوں کی کچھ نرالی ہے خدائی

آبرو کے قتل پر حاضر ہوا کس کر کمر — خوں کرنے کوں چلے عاشق پہ تہمت باندھ کر

زندگی ہے سراب کی سی طرح — باؤ بندی حباب کی سی طرح

تجھ اوپر خون بے گناہوں کا — چڑھ رہا ہے شراب کی سی طرح

کون چاہے گا گھر بسے تجھ کو — مجھ سے خانہ خراب کی سی طرح

کیوں چھپا ظلمات میں گر تجھ لب سے شرمندہ نہ تھا — جان کچھ پانی رہے ہے چشمۂ حیواں کے بیچ

مجلس رنداں میں مت لے جا دل بے شوق کو
شیشۂ خالی کو کیا عزت ہے میخواروں کے بیچ

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہووے گی — اس دل بے قرار کی صورت

نہ تھا کچھ اور میرے شوق کا حسن وصفا باعث
یہی پیاری طرح موجب ہوئی کا فر ادا باعث

تم اور گل رخاں سے اب آنکھ جو لگائے
بادام کو پیارے پھولوں کے بیچ باسا

دل تو دیکھو آدم بے باک کا — عشق سے پتلا بھرا ہے خاک کا

سجن اوروں کا تشنہ ہو کے سنتا اور سب کہتا
مگر ایک آبرو کی بات جب کہتے تو پی جاتا

انسان ہے تو کبر سے کہتا ہے کیوں انا
آدم کو تو سنا ہے کہ ہے خاک سے بنا

رہتے ہیں جیو تس مصرع نے بچپن کی طرح — گھر بار ہو رہے مردوں کا برائے بیت

کیوں ملامت اس قدر کرتے ہو بے حاصل ہے یہ
لگ چکا اب چھوٹنا مشکل ہے اس کا دل ہے یہ

(قطعہ)

زلف کی شان لکھ او پر دیکھو کہ گویا حرش میں لٹکتی ہے
کیا ہوا مر گیا اگر فرہاد روح پتھر سے سر پٹکتی ہے

تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے کہاں ہے، کس طرح کی ہے، کدھر ہے

یوں آبرو بناوے دل میں ہزار باتیں جب رو برو ہو تیرے گفتار بھول جاوے

اب دین ہوا زمانہ سازی آفاق تمام دہریا ہے

جیونا مثل حباب اس جگ میں دم کا پیچ ہے
یہ گرہ کھل جا تو دیکھو زندگانی ہیچ ہے

زندگانی تو ہر طرح کاٹی مر کے پھر جیونا قیامت ہے

اٹھ چیت کیوں جنوں سستی خاطر پخنت کی
آئی بہار تجکو خبر ہے بسنت کی

جہاں تجھ خو کی گرمی تھی نہ تھی کچھ آگ کو عزت
مقابل اس کے ہو جاتی تو آتش لکڑیاں کھاتی

لٹک چلنا سجن کا بھولتا نہیں اب تلک مجکو
طرح وہ پاؤں رکھنے کی میری آنکھوں میں پھرتی ہے

اس کی کنجی زبان شیریں ہے دل مرا قفل ہے بتاشے کا

حُسن ہے پر خوبرویاں میں وفا کی خو نہیں
پھول ہیں یہ سب پر ان پھولوں میں ہرگز بو نہیں

قیامت کیا تم ٹک ایک ہنس کے بولے
مجھے بات کی بات میں مار ڈالا

مضمون

میاں شرف الدین، مضمون تخلص، مردے بود نوکر پیشہ۔ متوطن جاجمؤ کہ قصبہ است متصل اکبرآباد۔ حریف (و) ظریف، ہشاش (و) بشاش ہنگامہ گرم کن مجلسہا، ہر چند کم گو بود لیکن بسیار خوش فکر و تلاش لفظ تازہ زیادہ۔ دیوانش ہمہ جہت دو صد بیت خواہد بود۔

از شروع جوانی بہ شاہ جہان آباد آمدہ و در زینت المساجد سکونت داشت۔ آخر الامر ہمیں[1] جا فوت کرد۔ از احفاد حضرت شیخ فرید شکر گنج بود، نور اللہ مرقدہ، چنانچہ خود میگوید (فرد)

کریں کیوں نہ شکر لبوں کو مرید
کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

شاگرد خان صاحب سراج الدین علی خان است۔ چوں دندانِ او بسبب نزلہ ہمہ افتادہ بودند، خان صاحب مذبور[2] او را شاعر بیدانہ می گفتند (فقیر[3] او را در اواخر زمان او دریافتہ بودم) بسیار گرم اختلاط (بود) اگرچہ بروقت پیری غلبہ داشت۔ اغلب کہ خدا آلش بخیر مبدّل کردہ باشد۔ (دریں[4] ولا از دیوانِ او منتخب نمودہ، نوشتہ شدہ)۔ از وست:۔

۱۔ پیرس: ہمیں

۲۔ پیرس: مرقوم

۳۔ انجمن: فقیر زماں آخر او را دریافتہ بودم۔

۴۔ یہ عبارت پیرس سے لی گئی ہے۔ انجمن کی عبارت مبہم ہے۔ مولوی عبدالحق نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ کتابت کی غلطی سے اصل عبارت مسخ ہو گئی ہے۔ بہر حال نسخۂ پیرس کی عبارت واضح اور بامعنی ہے۔

جو دو پیالہ سحر کو بھر کے اور دو شام کو لے گا

وہ تخت اپنے میں جوں خورشید چاروں جام کو لے گا

ہم نے کیا کیا نہ ترے غم میں اے محبوب کیا　　صبر ایوبؑ کیا، گریۂ یعقوبؑ کیا

(ایہام)

ایک تو تھا ہی وہ مہرو خود پسند　　ہو گیا دیکھ آرسی کے تین دو چند

ہنسی تیری پیارے پھلجھڑی ہے　　یہی غنچہ کے دل میں گل جھڑی ہے

(ایہام)

میکدہ میں گر سراسر فعل نامعقول ہے　　مدرسہ دیکھا تو واں بھی فاعل و مفعول ہے

(ایہام)

ناحق ستم کسی پر وہ شوخ کد کرے ہے

دیتا ہے ٹانگ اس کو جو فعل بد کرے ہے

(ایہام)

جھوٹے سینوں سے یوں ہوا معلوم　　تیری آنکھوں کے (ٹک) دو پلکے ہیں

میرا پیغام وصل اے قاصد　　کہیو سب سے اسے جدا کر کر

اتفاقاً من اشعار ایشاں را انتخاب می زدم، میاں محمد حسین کلیم کہ احوالِ او شاں نیز خواہد آمد، ان شاء اللہ تعالیٰ، او شاں نیز نشستہ بودند۔ من ایں شعر را پیش مشارٌ الیہ خواندم و شعر ایں قسم (در دیوانش نوشتہ) بود:

میرے پیغام کو تو اے قاصد　　کہیو سب سے اسے جدا کر کر

(گفتند کہ اگر بجائے 'پیغام' کو 'پیغام وصل' می گفت، ایں پست ر تبہ[1]

(۱) انجمن میں یہ عبارت ناقص ہے جس کی وجہ سے یہ گمان کیا گیا ہے کہ اس شعر پر بھی میر کی اصلاح ہے لیکن اب اس مکمل عبارت سے صحیح بات سامنے آگئی ہے۔ تذکرہ شورش سے بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ اصلاح محمد حسین کلیم کی ہے شورش کے الفاظ یہ ہیں: "میاں محمد حسین کلیم اصلاح نمودہ انداز نوشتہ تقی میر معلوم شدہ"۔

اعلیٰ ہم می رسید[1]) چوں ایں حرف موافق سلیقۂ شعرا بود، لہٰذا ہمچناں نوشتہ آمد[2]۔

کرے ہے دار بھی کامل کو سرتاج   ہوا منصور سے نکتہ یہ حل آج

گیا سمجھ بلبل نے باندھا ہے چمن میں آشیاں
ایک تو گُل بے وفا اور تس پہ جورِ باغباں

اگر پاؤں تو مضموں کو رکھوں باندھ   کروں کیا جو نہیں لگتا میرے ہاتھ

نہ رونے بوجھ پکڑا مشکل ہوا ہے جینا
یارو خدا کرے خیر بھاری ہے یہ مہینا

خط آگیا ہے اس کے میری ہوئی سفید ریش
کرتا ہے اب تلک بھی وہ ملنے میں شام و صبح

چلا کشتی میں آگے سے جو وہ محبوب جاتا ہے۔
کبھی آنکھیں بھر آتی ہیں کبھی جی ڈوب جاتا ہے

مرا یہ اشک قاصد کی طرح یک دم نہیں تھمتا
کسی بے تاب کا گویا لیے مکتوب جاتا ہے

مضمون تو شکر کر کہ ترا اسم سُن رقیب   غصہ سے بھوت ہو گیا لیکن جلا تو ہے

شاعر مسطور بجائے "اسم"، "نام" موزوں کردہ بود۔ اسم اصلاح خاں صاحب است (وچہ[3]) اصلاح زیرا کہ اہل دعوت اسم می خوانند نہ نام، فافہم۔

یکرنگ

مصطفیٰ خاں، یک رنگ (تخلص) شاعر ریختہ، معاصر میاں آبرو۔

---

(۱) نسخے میں می رسند ہے۔   (۲) پیرس: شد

(۳) انجمن: وہ چہ (کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے)

می گویند کہ بسیار چسپاں اختلاط و آشنائے درست بود۔ از احوال او خوب اطلاع ندارم۔ از وست:

(قطعہ)

لب شیریں سے بے زبانوں کو بولنا تلخ کام ہے تیرا
ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو یہی گویا سلام ہے تیرا
ترک عاشق نیں ننگ و نام کیا کام اپنا جو تھا تمام کیا
اس قدر کیا ہے حمایت غیر کی ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا
جب سیتی گل رخوں سے یار ہوا خلق کی ہیں نظر میں خوار ہوا
خلق یک رنگ کی ہوئی دشمن جب سے تیرا وہ دوستدار ہوا

در مرثیہ امام حسین صلوٰۃ اللہ علیہ[1] (نیز گفتہ است):۔

(مرثیہ)

زخمی برنگ گل ہیں شہیدان کربلا گلزار کے نمط ہے بیابان کربلا
کھانے چلا ہے زخم ستم ظالموں کے ہاتھ دھو ہاتھ زندگی ستی مہمان کربلا
اندھیر ہے جہاں میں کہ اب شامیوں کے ہاتھ ہے سر بریدہ شمع شبستان کربلا

(ریختہ)

سنتا نہیں ہے بات کسی کی تو اے سجن تجکو ترا غرور نجانوں کرے گا کیا
خون دل کا مجھے شراب ہوا جگر سوختہ کباب ہوا

اِتا ہے مست اپنے حسن کی مے سے سجن میرا
کہ کھاتا ہے بیاں کرنے سیتی لغزش سخن میرا

نہ کر گوہر سیتی ہرگز برابر اگر معلوم ہے رتبہ سخن کا
مت بوجھ پیارے اپنا دشمن کوئی دشمن بھی ہو ہے اپنی جان کا

---

(۱) پیرس: حضرت ابا عبداللہ الحسین

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا　　کروں اس ماہ کو پتلی کا تارا

مرا دشمن ہوا یکرنگ وہ شوخ　　ہو گیا کیوں عشق میں نہیں آشکارا

کم نہیں کچھ بوئے گل سیتی فغان عندلیب

برگ گل سے ہے گی نازک تر زبانِ عندلیب

زبانِ شکوہ ہے مہندی کا ہر بات　　کہ خوبوں نیں لگائے ہیں مجھے ہات

مسخّرِ حُسن کے شاہ و گدا ہیں　　رکھے ہیں خوبرو ظاہر کرامات

خیال چشم و ابرو کر کے تیرا　　کوئی مسجد گیا کوئی خرابات

یاد آتی ہے نازکی بہار　　دیکھ ہر خشک خار کی صورت

سچ کہے جو کوئی سو مارا جائے　　راستی ہیگی دار کی صورت

باعتقاد فقیر بجائے (لفظ) سچ حرف حق اولیٰ است (برائے مناسبات درست می افتد)

پھر گیا ہائے ہم سے وہ مہرو　　سرد مہری ستی ہوا کی طرح

ہوا نہ راحتِ جاں مہرباں حیف　　مری محنت گئی سب رائیگاں حیف

بنا بر مصلحت ہے یہ جو تم سے　　رہا ہے روٹھ دن دو چار یکرنگ

محبت کا عجب یکرنگ ہے رنگ　　کبھی عاشق کبھی معشوق ہیں ہم

برنگ شمع دائم تجھ لگن میں　　سجن روتے پھرے ہم انجمن میں

تا گلے تیرے لگوں اے یار میں　　روٹھتا ہوں اس سبب ہر بار میں

کیوں کھینچتے ہو تیغ سجن ہم میں دم نہیں

پنہاں نگہ تمہاری یہ گپتی سے کم نہیں

کہتے ہیں ہم پکار سنو کان دھر سجن　　گو غیر سے لوگے تو دیکھو گے ہم نہیں

تجھ زلف کا یہ دل ہے گرفتار بال بال

یک رنگ کے سخن میں خلاف ایک مو نہیں

دل مرا لے کے جو دبدھا میں پڑے ہو اس بھانت
کیا سجن اس کا کوئی جگ میں خریدار نہیں
پارسائی اور جوانی کیوں نکے ہو ایک جاگہ آگ پانی کیوں نکے ہو

(فرد، ایہام)

اس پری پیکر کو مت انسان بوجھ شک میں کیوں پڑتا ہے اے دل جان بوجھ

(ایہام)

برگِ حنا اوپر لکھو احوال دل میرا شاید کبھی تو جا لگے اس دلربا کے ہاتھ
جو کوئی توڑتا ہے غنچۂ گل دل کو میرے شکستہ کرتا ہے
نہ کہو یہ کہ یار جاتا ہے میرا صبر و قرار جاتا ہے
گر خبر لینی ہے تو لے صیاد ہاتھ سے پھر شکار جاتا ہے
لگے ہے جا کے کانوں میں بتوں کے سخن یک رنگ کا گویا گُہر ہے
کیا جانئے وصال تیرا ہو کسے نصیب ہم تو ترے فراق میں اے یار مر گئے
نہ تو ملنے کے قابل اب رہا ہے نہ مجھ کو وہ دماغ اور دل رہا ہے
اب تو تمھیں بنا ہے ہی ہم سے سجن پڑے
ہم سب طرف سے ہار تمھارے گلے پڑے
یک رنگ پاس کیا ہے سجن اور رکھ بساط
رکھتا ہے دو نین جو کہو تو نظر کرے
جس کے دردِ دل میں کچھ تاثیر ہے گر جواں بھی ہو تو میرا پیر ہے
چشم پیارے کی دیکھ مژگاں میں گویا سبزے کے بیچ آہو ہے
اس کو مت بوجھو سجن اوروں کی طرح مصطفیٰ خاں آشنا یک رنگ ہے
اگر شعر من می بود پیش مصرع ایں[1] قسم موزوں کردم :

---

(۱) پیرس : چنیں می کردم

مت تلوّن اس میں سمجھے آپ سا

(الفت[1] نے سانوری کی رُسوا کیا ہے ہم کو جامے کو اپنے ہم نے گویا اگر میں باسا)

(اہلِ دل کے تیں ضرر ہے خرمی سیں دیکھ لے
کھلکھلا کر جو ہنسا غنچہ، پریشاں ہوگیا)

(مداح خوش قدوں کا یک رنگ ہے عزیزاں
اس سیں ہوا ہے اوس کا ہر جائے بول بالا)

(میرے دل سے اُٹھیں کیوں نہ بھبھوکے
خیال از بسکہ ہیں اوس شعلہ خو کے)

(رقیب اس طور جلتے ہیں مجھے دیکھ گویا رشتے میں ہیں اوس شمع رو کے)

(جن صاحبوں کو کام نہ تھا عشق سے کبھی
یک رنگ اس جہاں میں وہ آرام کر گئے)

(نہ ہو سرکش جو مقصد پر نظر ہے [2]...... سرکشی میں بے ثمر ہے)

(رکھے ہے ....[3] سنو یارو گرہ میں جس کے زر ہے)

(جدائی میں تیری اے صندلی رنگ [4]..... میں زندگانی دردِ سر ہے)

ناجی

محمد شاکر ناجی (تخلص)، جوانے بود (ہ) آبلہ رو، سپاہی پیشہ، مزاجش بیشتر مسائل بہ ہزل بود۔ معاصر[5] میاں آبرو (.ہ ٹ ہ) بندہ با او یک[6] ملاقات کردہ ام۔

(۱) آخری نو شعر نسخۂ پیرس کے حاشیے پر درج ہیں۔

(۲، ۳، ۴) نسخے میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔

(۵) ہمعصر با میاں آبرو۔ (۶) شیرانی: یک دو ملاقات کردہ بودم

(شعر[۱] ہزل خود را خود می خواند) و مردمان را بخندہ می آورد و خود نمی خندید گر گاہے تبسمے می کرد۔ وطنش شاہ جہان آباد جوان از جہان رفت، (خدایش رحمت کند) اشعار جستہ جستہ او انتخاب[۲] کردہ نوشتہ می شود۔ (من کلامہ) :-

روا کب ہے مجھ اوپر تیغ کو ہر دم علم کرنا
میری تقصیر کچھ کی ہے ثابت یا ستم کرنا

بلند آواز سے گھڑیال کہتا ہے کہ اے غافل
کٹی یہ بھی گھڑی تجھ عمر سے اور تو نہیں چیتا

نکلیں حُسن دیکھ کر پی کا رنگ گل کا لگا مجھے پھیکا

دیکھ ہم صحبت کی دولت سے نہ رکھ چشم کرم
لب صدف کے تر نہیں ہر چند ہے گوہر میں آب

برمتامل پوشیدہ نیست کہ پیش مصرع این چنیں می بایست (اصلاح مؤلف) مصرع :

مت رکھے چشم کرم دولت سے اپنے خورد کی

گر سلیماں کا تخت دیں مت لے کہ سب آخر کو جائے گا برباد

تیری نگاہ کی کثرت سے اے کماں ابرو
ہمارے سینہ میں تو وا ہوا ہے تیروں کا

پیاز چوسے ہے سو خوروں سے کھولے ہے لب ہزار زوروں سے

کرے کرم اے مہرباں پھر ہم کہاں اور تم کہاں
نہیں دیکھ سکتا آسماں پھر ہم کہاں اور تم کہاں

---

(۱) انجمن : شعر ہزل خود را می داند

(۲) پیرس : منتخب۔

تکلیف کھینچے حد سے زیادہ رکھے جو فیض
گو نام کو ہُما ہے پہ کھاوے کیا اپنے ہاڑ
ملنے کو نوخطاں کے واعظ بُرا کہے ہے مجہول ہیں یہ باتیں ہم خوب جانتے ہیں
عید ہوتی تھی جو کوئی افطار کرتا جس کے گھر
اب بتا دیں سطے کا روزہ دیکھ کر مہمان کو
آج تو ناجی سجن سے کر تو اپنا عرض حال مرنے جینے کا نہ کر وسواس ہونی ہے سو ہو
غم نہیں گر دلبری سے دل کو لے جاتا ہے وہ
پاس میرے تب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ
کیا فردا کا وعدہ سرو قد نے قیامت کا جو دن سُنتے تھے کل ہے
ہوا جب آئینہ میں جلوہ گر تب میں لیا بوسہ
جو آیا اپنے قابو میں تو پھر منھ دیکھتا کیا ہے
موجی ہے اپنے دل کا مجھی نہ دے کسے
اور اب مخالفوں میں وہ بات ہی ڈبوئی
نہ جانا یہ کہ اس پر کئی مرتے ہیں عبث کرنے گیا میں گور پر گور
نرگس کے تئیں میں ہرگز لاتا نہیں نظر میں
دیکھیں ہیں میں نے آخر پیارے تمہاری آنکھیں
دیکھ دلبر تیری کمر کی طرف پھر گیا مانی اپنے گھر کی طرف
حشر میں پاکباز رہیں ناجی بدعمل جائیں گے سقر کی طرف
مجکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا لے چلا جب دل کے تئیں منھ دیکھتا میں رہ گیا
ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لب دریا پہ زلف
حیف ناجی کو نہ پوچھا کس نہر میں بہہ گیا

اغنیا کے در بدر مقدور جب تک ہو نہ جا
سخت حاجت ہو تو جا، لاچارگی ہے جا ضرور
چاہیے اشراف کو مفلس ہو مجلس میں نہ جا
گو کہ وہ بلا نہ ہو پر بوجھتے ہیں سب حقیر
جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کرنے
رقیب لاولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے
(رکھیں[1] ہیں جب سیں وہ پیارے نیں تلیں
پڑا ہے تو خلطاں کا دل خلل میں
تیور آنکھوں کے دیکھی آج اور ہی | زمانہ کچھ کا کچھ پھر جائے پل میں
فقط لاکفر ہے اسلام دیں پر | مسلمانی رکھی ہے حق کے کلیں
قفس ہے شہر دیوانوں کے حق میں | (بن آئی[2] اسیر) مجنوں کے جنگل میں
یہ دل رسوا کرے ہے آدمی کو | بڑا دشمن ہے اسے ناجی بغل میں)

پیام

(اشرف الدین[3]) علی خاں پیام۔ شاعر قرار داد شاعران فارسی عہد خود بود۔ صاحب دیوان ریختہ تیز (ہست)۔ از خاک پاک اکبرآباد است۔ بندہ اکثر ملاقات کردم[4] چنانچہ با میاں نجم الدین علی سلام (تخلص) کہ خلف الصدق اوست،

---

(۱) نسخۂ پیرس کے حاشیے پر یہ غزل درج ہے۔

(۲) نسخے میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔ متن کی تکمیل دیوان شاکر ناجی (مرتبہ فاروق؟) سے کی گئی ہے

(۳) انجمن : اشرف الدین۔

(۴) پیرس : کردہ ام۔

حقیر را اخلاص دلیست ۔ ہمیشہ اتفاق باہم نشستن وفکر شعر کردن وگپ[1] زدن (اکثرے) می افتد ۔ احوال او ہم نوشتہ خواہد شد، ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ از وست (پیام):

بات منصور کی فضولی ہے ورنہ عاشق کو آہ سولی ہے

(قطعہ)

دلّی کے کج کلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا ٹوپی والوں نیں قتل عام کیا

احسنُ اللہ

میاں احسن اللہ ۔ مردے بود معاصر[2] میاں آبرو ۔ طبعش بسیار مائل بہ ایہام بود ۔ ازیں جہت شعر او بے رتبہ ماند ۔ دیگر احوالش معلوم من نیست ۔ از وست[3]

یہی مضمون خط سے ہے احسن اللہ
کہ حسن خوبرُویاں عارضی ہے

سعادت

میاں سعادت علی، از سادات امروہہ بود ۔ مردے سلیم الطبع، کم سخن، متواضع، سعادت تخلص می کرد ۔ فی الجملہ چاشنی درویشی داشت ۔ شعر او خالی از لطف نیست ۔ با بندہ ربط بسیار داشت ۔ (چند ابیات) از وست (سعادت):۔

کسی سے پوچھوں دل مرا چوری گیا زلفوں میں رات
ایک جو شانہ ہے سو وہ تیل میں ڈالے ہے ہات

---

(۱) پیرس : باختلاط داشتن (۲) پیرس : ہم عصر

(۳) پیرس : من کلامہ

ہوش کھو دیتی ہیں میرا اس کی آنکھیں مے پرست
بسکہ ہوں کم ظرف دو پیالوں میں ہو جاتا ہوں مست
کیا صید آہوئے دل آسواری سے میاں تم نے
کمر کی ڈاب نہیں کھولی گویا چیتے کی ڈوری تھی

واللہ جو سرِ لوح تیرا نام نہ ہوتا — ہرگز کسی آغاز کا انجام نہ ہوتا
یار سے جو رقیب لڑتے ہیں — یہ ہمارے نصیب لڑتے ہیں
اہلِ زر کے سیم تن ہوتے ہیں رام — صید ہو ہیں جس جگہ دیکھیں ہیں دام
پپیہے کی طرح دارو کے شیشے — زبانِ حال سے کہتے ہیں پی پی

بے نوا

بے نوا تخلص۔ احوال او بہ تحقیق نمی پیوندد۔ در وقت محمد شاہ بادشاہ سنگرن نامی جوہری جوتی فروشے راکشت۔ بابت[1] او بلوا شد، چنانچہ جوتی فروشاں در جامع مسجد مانع خطبہ گشتند۔ ظفر خاں[2] روشن الدولہ طرہ باز شہرت دارد۔ جوہری مذکور را پناہ داد۔ آخر ہنگامہ برپا شد و جنگ عظیم در میان امرایان عظام افتاد و بسیار از طرفین بقتل رسیدند[3] (و) ظفر خاں روشن الدولہ تاب[4] نیاوردہ و گریخت۔ ازیں سانحہ ایں قسم خفت کشید کہ ازاں باز از خانہ بدر[5] نیامد۔ آں قصہ را شاعر مسطور در مخمس بست[6] کہ ہنوز برالسنہ مذکور (مشہور) است۔ از وست :۔

---

(۱) پیرس: بہ جہت دعوٰی خون جوتی فروش جمیع جوتی فروشاں شہر در مسجد جامع بلوا کردند و روز جمعہ بود و چوں خطیب خواست کہ بر منبر رود تا خطبہ ادا نماید، مانع گشتند۔

(۲) پیرس: نواب طرہ باز خاں روشن الدولہ جوہری مذکور (را) در ظل عاطفت خود پناہ داد

(۳) پیرس: کشتہ شدند — (۴) پیرس: تاب نیاوردہ گریخت

(۵) پیرس: بیرون — (۶) پیرس: بستہ است

(مخمس)

یہ کیا ستم ہے اے فلک ہرزہ نابکار مریخ بھر کے تیز کیا ہے خنجر کی دھار
جوتی فروش مرد مسلمان دیندار مردود جو ہری نے لیا ہے ستم سے مار
سنگِ جفا سے چور کیا لعل آبدار
(جوتی فروش بیچ پڑی آکے کھلبلی کیتوں کی کشتی ڈھیلی ہوئی اور عقل ٹلی
بے حد شمار مرحلہ سے جوتیاں چلی کیا نئی و کیا پرانی پشوری و گھیتلی
لاہوری، سیف خانی، چرن منڈی، پٹی وال)
کتنوں کو مار جی سے قضا نے گرادیا کتنوں کو جی بچا کے بہت ہڑبڑا دیا
کاغذ پہ بے نوا نے یہ سُن کر چڑھا دیا گھٹے ہی مار جوتیوں طرہ گرادیا
تا حشر ہر زباں پہ رہے گا یہ یادگار

عطا

عطا نام او باشے گزشتہ است[1] در عہد عالمگیر بادشاہ۔ (دو بیت) از دست :-

اے در نبرد حسن تو کشتہ بچار چشم زیر مژہ نہفتہ چو آہو بچار چشم
(در کوے عشق خواجہ عطا بھیڑ بھاڑ ہے تو بھی گھسر پھسر کرو در بر کھسار چشم)

جعفر زٹلی

میر (محمد) جعفر، بہ جعفر زٹلی مشہور است۔ نادرۂ زماں و اعجوبۂ دوراں خود بود (۵)۔ زبان گزندہ داشت۔ وضیع و شریف ہمہ از و ملاحظہ می کردند۔

(۱) پیرحن: در جہان آباد دہلی در عہد بادشاہ عالمگیر بودہ۔

چیزے می دادند۔ چوں[1] بخانۂ کسے می آمد دو کاغذ ہمراہ گرفتہ می آمد، بر یک پارچۂ (کاغذ) ہجو صاحب خانہ و (پارچۂ) دیگر مدح او را۔ اگر[2] مدارا از و می دید، مدح می خواند وگرنہ[3] پرچۂ کاغذ ہجو را بال شہرت می داد۔ (چنانچہ) ہجو (شاہزادہ) محمد اعظم شاہ پسر عالمگیر پادشاہ کہ در رقعات عالمگیری بہ عالی جاہ امتیاز دارد، کردہ:-

(ھجو اعظم شاہ)

چہارم پسر ڈومنی کا جنا برج میں رہے جوں .....

القصہ شعر ہزل بسیار دارد۔ چوں پیش اعظم شاہ باریاب شد، ایں شعر در مدح او بداہتاً[4] گفت:

(مدح)

نگین سلیماں کہ تابندہ بود
ہمیں اسم اعظم بر آں کندہ بود

صلۂ[5] لائق بہ جائزہ ایں مطلع یافت۔ (چوں اشعار ہائے میر زٹلی در ہر شہر و ہر مکان مشہور اند، برائے ایں نوشتہ نہ شد)

نقل ست کہ روزے بخانۂ مرزا (عبد القادر) بیدل آمد و برروے مرزا (معزی الیہ) ایں مصرع خواند:

چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو پیش

مرزا ازیں معنی بسیار (خفہ شد نہ بلکہ) تر آمد (شد) و زود رخصت کرد (مد)۔

---

(۱) پیرس: چوں بخانہ کسے می رفت دو کاغذ ہمراہ خود می برد۔

(۲) پیرس: اگر صاحب خانہ بہ مدارات و سلوک پیش ..... می خواند۔

(۳) پیرس: واگر کم بختی صاحب خانہ آمد و ہیچ مدارات و مراعات ..... پارچہ کاغذ ہجو را بر آوردہ پیش او خواندہ و خواستی

سودا

مرزا (محمد) رفیع (سلمہ اللہ) المتخلص بہ سودا اگر جہ نیست، خوش خلق (و) خوش خوے، گرم جوش، یارباش، شگفتہ روے۔ مولد او شاہ جہان آباد است، نوکر پیشہ، غزل و قصیدہ و مثنوی و قطعہ و مخمس و رباعی ہمہ را خوب می گوید۔ سرآمد شعرائے ہندی اوست۔ بسیار (خوش فکر و) خوشگو است۔ بلاگردان ہر شعرش طرف لطف رستہ رستہ، در چمن بندی الفاظش گل معنی دستہ دستہ، ہر مصرع برجستہ اش را سرو آزاد بندہ، پیش فکر عالیش طبع عالی شرمندہ[1]۔ شاعر ریختہ، چنانچہ ملک الشعرائی[2] ریختہ او را شاید۔ قصیدہ در ہجو (اسپ[3]) گفتہ (مسمیٰ) بہ تضحیک روزگار۔ دور از حد مقدور در او صنعتہا بکار بردہ مطلعش اینست:۔

(بیت)

ہے چرخ جب سے ابلق ایام پر سوار رکھتا نہیں ہے دست عناں کا بیک قرار

اکثر اتفاق[4] طرح غزل باہم می افتد۔ غرض از مغتنمات روزگار است۔ حق تعالے[5] سلامتش دارد۔ از وست:۔

بیکس کوئی مرے تو جلے اس پہ دل مرا گویا ہے یہ چراغ غریبوں کی گور کا

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا پانی بھی پھر پیوں تو مزا ہے شراب کا

---

(۱) پیرس: د بحضور طبع عالیش فکر عالی شرمندہ

(۲) پیرس: چنانچہ باید ملک الشعرائیست کہ وصفش در تحریر باید

شورش: چنانچہ می باید ملک الشعرائی او را شاید

(۳) انجمن: است

(۴) پیرس: واکثر اوقات طرح [illegible]

موج نسیم گرد سے آلودہ ہے نپٹ   دل خاک ہو گیا ہے کسی بے قرار کا

آہ کس طرح تری راہ میں گھیروں کہ کوئی   سدہ رہ ہو نہ سکے عمر چلی جاتی کا

زباں ہے عمر میں قاصر شکستہ بالی کے   کہ جن نے دل سے مٹایا خلش رہائی کا

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن   بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

کس مونھ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز

اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

نہ کھینچ اے شانے ان زلفوں کو یہاں سودا کا دل اٹکا

اسیر ناتواں ہے یہ نہ دے زنجیر کو جھٹکا

پرے رہ برق خار آشیاں میرے سے کہتا ہوں

اُڑے گا دھجیاں ہو کر ترا دامن جو یہاں اٹکا

سودا ہوے جب عاشق کیا پاس آبرو کا

سُنتا ہے اے دیوانے جب دل دیا تو پھر کیا

موج آتش ہے سیل آنکھوں کا   دل کا شاید کہ آبلہ پھوٹا

نہ جیا تیری چشم کا مارا   نہ تری زلف کا بندھا چھوٹا

پھرے ہے شیخ یہ کہتا کہ میں دنیا سے منھ موڑا

الٰہی ان نے اب داڑھی سوا کس چیز کو چھوڑا

جو گزری ہم پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا   بلاکشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا

مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر   مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا

ترا جیو مجھ سے نہیں ملتا مرا دل رہ نہیں سکتا   غرض ایسی مصیبت ہے کہ میں کچھ کہہ نہیں سکتا

ترے آگو سحر آنکھوں سے آنسو کیوں کہ چلتے ہیں

(قطعہ)

تجھ بن عجب معاش ہے سودا کا ان دنوں
تو بھی ٹک اس کو جا کے ستمگار دیکھنا
نے حرف و نے حکایت و نے شعر و نے سخن
نے سیر باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

(خاموش اپنے کلبۂ احزاں میں روز و شب   تنہا پڑے ہوئے در و دیوار دیکھنا)
یا جا کے اس گلی کو جہاں تھا ترا گزر   لے صبح تا بشام کئی بار دیکھنا
تسکین دل نہ اس میں بھی پائے تو پھر شغل   پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا
کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکیں تجھکو غیر پاس   پر جو خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا
کسی دیندار و کافر کو خیال اتنا نہیں آتا   سحر کیا ہو چکی سودا کے جیو پر شام کیا ہوگا
سودا سے یہ کہا میں دل میں اسطرح سے کھونا   کہنے لگا کہ ناداں کیا پوچھتا ہے ہونا

گل میرے مشہد پہ کب بھیجے ہے وہ ابرو کماں
طرح غنچہ کے کھلے جب تک نہ پیکاں تیر کا
سودا سے میں یہ پوچھا دل میں بھی دوں کسی کو
وہ کر کے بیاں اپنی روداد بہت رویا

کیوں اسیری پر مری صیاد کو تھا اضطراب   کیا قفس آباد ہو گئے کون سے گلشن خراب
ہندو ہیں بت پرست مسلماں خدا پرست   میں پوجتا ہوں اس کو جو ہو آشنا پرست
کل رخصت بہار تھی شبنم صفت میں زور   رویا ہر ایک گل کے گلے لگ چمن کے بیچ
یا تبسم یا نگہ یا وعدہ یا گاہے پیام   کچھ بھی اے خانہ خراب اس دل کو بہلانے کی طرح
منعم نہ مر بنائے عمارت کی فکر میں   یہ سب حویلیاں تھیں جہاں تک ہے اب اجاڑ

گزری جس غم سے مجھے زندگیِ دو روزہ
رکھے اس غم کو خدا شہر محرم سے دُور

(قطعہ)

عقل نیں ایک دن آ کر یہ کہا سودا سے
خواہ نزدیک ہمارے رہو خواہ ہم سے دور

لیکن اتنا ہے کہ وہ کام نہ کریو پیارے
جس کا ثمرہ رکھے تم کو دل عالم سے دور

انکار قتل سے تو کرے ہے سجن ہنوز
مَیلا نہیں ہوا ہے ہمارا کفن ہنوز

کس کے ہیں زیرِ زمیں دیدۂ نمناک ہنوز
جا بجا سوت ہیں پانی کے تہِ خاک ہنوز

(سودا کا تو نے حال نہ دیکھا کہ کیا ہوا
آئینہ لے کے آپ کو دیکھے ہے تو ہنوز)

اے لالہ گو فلک نے دیے تجکو چار داغ
چھاتی مری سراہ کہ اک دل ہزار داغ

کون کہتا ہے مت اوروں سے ملا کر مجھ سے مل
جس کے ملنے پر خوشی تیری ہو مل پر مجھ سے مل

رنگ گل بے طرح دہکے ہے سُن اے ابر بہار
آشیاں میرا بھڑک گئی ہے اب گلشن کو آگ

قاتل کے دل سے آہ نہ نکلی ہوس تمام
ذرہ بھی ہم تڑپنے نہ پائے کہ بس تمام

تسلّی اس دیوانے کی نہ ہو جولی کے پتھروں سے
اگر سودا کو چھیڑا ہے تو لڑکو مول لو پھڑیاں

ظاہر میں دیکھنے کا کچھ اسباب ہی نہیں
آوے مگر تو خواب میں سو خواب ہی نہیں

مجکو نہیں ہے دل میں ترے سے کیا کروں
پیدا اثر ہے عشق مرا آہ کیا کروں

کس کی ہیں یہ چمن میں صبا چھڑیاں
ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیاں

نہ پوج سنگ و گل اے شیخ اس صدا کو مان
مرے صنم کی پرستش کر آ خدا کو مان

نہ غنچے گل کے کھلتے ہیں نہ نرگس کی کھلی کلیاں
چمن میں لے کے خمیازہ کسی نیں انکھڑیاں لیاں

عاشق کی بھی کٹتی ہیں کیا خوب طرح راتیں
دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتیں

بلبل خاموش ہوں جوں نقش دیوار چمن
نے قفس کے کام کا ہرگز نہ درکار چمن

ڈرکے کانٹوں کی ٹپکے ہے لہو اے باغباں
کس دل آزردہ کے دامن کش ہیں یہ خار چمن

جیو تک تو دے کے لوں جو تو ہو کارگر کہیں
اے آہ کیا کروں نہیں بجتا اثر کہیں

ہوتی نہیں ہے صبح نہ آتی ہے مجکو نیند
جس کو پکارتا ہوں سو کہتا ہے مر کہیں

جادو بھری ہیں چشم آئینہ کر تو دیکھ
دھڑکے ہے دل مرا کہ نہ لپٹے نظر کہیں

غیر کے پاس یہ اپنا ہی نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں

جرم ہے اسکی وفا کا کہ جفا کی تقصیر
کوئی تو بولوں میاں منہ میں زباں ہے کہ نہیں

دل کے ٹکڑوں کو بغل بیچ لئے پھرتا ہوں
کچھ علاج اس کا بھی اے شیشہ گراں ہے کہ نہیں

اس درد دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو
قسمت میں جو لکھا ہے الٰہی شتاب ہو

اس کشمکش سے دام کی کیا کام تھا مجھے
اے الفت چمن ترا خانہ خراب ہو

بہار باغ ہو مینا ہو جام صہبا ہو
ہوا ہو ابر ہو ساقی ہو اور دنیا ہو

روا ہے کچھ تو بھلا اے سپہر نا انصاف
ریا سے زہد چھپے راز عشق رسوا ہو

جو مہرباں ہیں سودا کو مغتنم جانیں
سپاہی زادوں سے ملتا ہے دیکھیے کیا ہو

الٰہی ہے سکت نعم البدل کی تجکو دینے کی
مجھے اس کا عوض تو کچھ نہ دے پر پھیر دے دل کو

بوؤں میں تخم گل کو جہاں وہاں زقوم ہو
پالوں جو عندلیب قفس میں تو بوم ہو

اپنے چمن کو فائدہ کیا تجھ سے اے نسیم
یہ جا ہے وہ کہ یہاں دم عیسیٰ سموم ہو

کعبہ کی زیارت کو اے شیخ میں پہنچوں گا
مستی سے مجھے بھولی جس دن رہ میخانہ

مت ہنس مرے رونے پر آسمان میں کہتا ہوں
ٹپکے ہے ابھی کوئی قطرہ اثر آلودہ

نسیم بھی ہے چمن میں اور اب صبا بھی ہے
ہماری خاک کے پوچھو تو کچھ رہا بھی ہے

قدم سنبھال کے رکھ خار دشت پر مجنوں
کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

سودا جہاں میں آکے کوئی کچھ نہ لے گیا جاتا ہوں ایک میں دل پر آرزو لئے

غیرت عشق آن کر سودا تو پروانوں سے سیکھ
شمع سے اپنا ہی ملنا دیکھ جل جاتے ہیں وہ

کس قدر اب کے ہوا مست ہے ویرانہ کی
کسی لڑکے کو نہیں سُدھ کسی دیوانہ کی

سودا کو جرم عشق پہ کرتے ہیں آج قتل پہچانتا ہے تو یہ گنہ گار کون ہے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے

اس حال کے سمجھنے کا کچھ اسلوب نہیں ہے یہ کج روشی ہم سے فلک خوب نہیں ہے

کہتا تھا بنا گوش تری زلف کے آگے میں صبح قیامت ہوں مری شام یہی ہے

قاصد کے تئیں میں اپنے جو کچھ کر دوں بجا ہے
جیتا پھرے تو اُجرت ورنہ یہ خوں بہا ہے

جس دن تیری گلی کی طرف تک پون بھی
میں آپ کو جلا کے کروں خاک تو سہی

پہنچی نہ آہ تجکو مرے حال کی خبر قاصد گیا تو ان نے بھی اپنی ہی کچھ کہی

عشرت سے دو جہاں کی یہ دل ہاتھ دھو سکے
تیرے قدم کو چھوڑ سکے یہ نہ ہو سکے

جس سر زمیں پہ جا کے روؤں تیری یاد میں دہقاں کچھ اس زمیں میں بجز دل نہ بو سکے

نہ ضرر کفر کو نہ دین کا نقصان مجھ سے | باعثِ دشمنی اے گبر و مسلماں مجھ سے

اس کی خو سے نہیں محرم انھیں رونے سیتی کام | کیا کیا چاہتے ہیں دیدۂ گریاں مجھ سے

آ گیا رات میں جوں دُزد حنا تیرے ہاتھ | ورنہ جا پاؤں کو لاگا ہی تھا چوری چوری

تجھ تیغ تلے کہہ تو دستم سے کہ سر دھر دے | پیارے یہ نہیں سے ہو ہر کا رے دھر دے

دل کے تئیں ایک عالم کہتا ہے خدا کا گھر | اے عشق اسے آتش دے ہے تو بجھ کر دے

کھلنے تو لگا ہے دل جوں غنچہ ہمارا ابھی | لیکن نہ صبا تجھ سے گا ہے بدم سر دے

سینہ کو رستموں کی نگہ تیری توڑ دے | آنکھوں کی ہر پلک صف محشر کو موڑ دے

مرجاں کا نخل ہوں نہ پھلوں برگ و بار سے | ٹپکے ہمیشہ خوں مری شاخسار سے

خنجر طلب ہے مرگ سے ہر آ ہوئے حرم | دل بھر گیا ہے کس کی مژہ کا شکار سے

زاہد چلا ہے کعبہ کو اور برہمن کنشت | بندہ ہیں اس کے ہم جو کسی دل میں گھر کرے

جگ میں شراب خور کی تشہیر کے لئے | سودا جو محتسب ہو تو زاہد کو خر کرے

وہ لاب کی ہے حق بطرف ستی سے زیادہ | پیمانہ کسی کے گلے کا بار نہ ہووے

ہر دست خدائی میں تو یہ سبھے منادی | ظالم ہو جو کوئی سوط حد ار نہ ہووے

کر ذبح شتابی مجھے صیاد کہ یہ صید | ہاتھوں ہی میں تیرے کہیں مردار نہ ہووے

میں کہتا ہوں دل اپنے سے کہ ننگ و نام سے گزرے
نہ ہوں گر اس میں یہ باتیں تو کیا آرام سے گزرے

مومن نہیں زنار سے میرے آگاہ | اس رشتہ کو ہے سبحۂ اسلام میں راہ

اس بت کا برہمن ہوں کہ صوفی یا شیخ | کہتے ہیں جسے دیکھ کے اللہ اللہ

در منقبت[1] جناب پاک مرتضوی صلوات اللہ علیہ گفتہ

---

(۱) پٹیالہ: در منقبت ..... آب نفس رسول زوج بتول مظہر العجائب ومظہر الغرائب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ وسلامہ گفتہ۔

رُباعی

ایوان عدالت میں تمہارے یا شاہ — کچھ ظلم کو ہے دخل عیاذاً باللہ
شیشہ کا جو وہاں طاق سے رپڑے ہے پانوں — پتھر سے نکلتی ہے صدا بسم اللہ

کلیم

محمد حسین کلیم تخلص۔ از شاہ جہان آباد است۔ مردے سپاہی پیشہ، شاعر مقرر سے ریختہ بوضع خود۔ صاحبِ دیوان قصائد و مخمس در باعی۔ طرزش بطرز کسے مانا نیست۔ اکثر بزبان میرزا بیدل حرف می زند۔ در فہم شعر تہ دار او فکر عاجز سخناں پشت دست بر زمین می گزارد۔ (و) طبع رواں او مانند سیل روانست و فکر رسائش[1] آں سوے آسماں، بازوے فکر تش زور یں کش کمان معنی را، شعر پیچدار، پر تاثیر او تیر کا کل ربا۔

اگر چہ[2] کلیم در فارسی گذشتہ است، اما کلیم ریختہ مثل فقیرانیست۔

قطع[3] نظر از آنکہ بندہ را بخدمت او قرابت قریبہ است، یک اخلاص تہ دلی دارم و اکثر (سے)۔ بحال ایں[4] ہیچدان شفقت (و مہربانی) می فرماید، حق تعالےٰ سلامت (و شاد کام) دارد، (بحق محمد و آلہ)۔ از دست[5]:-

آتی ہے دل پہ قلقل مینا سے اب شکست — وے دن گئے کلیم کہ[6] یہ شیشہ سنگ تھا

---

(۱) پیرس: دفکر رسائش باج از شعراے متقدمین ہندی می گیرد

(۲) پیرس: اگر چہ در فارسی طالب کلیم گذشتہ اما در ہندی کلیم وقت خود است۔

(۳) پیرس: بندہ را با او قرابت قریبہ است بلکہ اخلاص تہ دلی است

(۴) پیرس: من — (۵) پیرس: من کلامہ

(۶) ...

درازیِ شبِ ہجرانِ زلفِ یار کلیم
نہ مجھ سے[1] پوچھ کہ کاٹی ہے رات آنکھوں میں

ہو چکی حشر گئی دوزخ و جنت میں خلق
رہ گیا[2] میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

ہر تارِ پیچ زلف کے عالم کی جان ہے
گویا یہ اژدہا تھا کہ سب کو نگل گیا

قربان اس اکڑ کے عجب یہ مروڑ ہے
آشفتہ ہو گئیں پہ نہ زلفوں سے بل گیا

میں بانکپن سے تیرے نہیں ڈرنے کا رقیب
گر دل میں ہے تو مجھکو بھی تلوار دیکھنا

کیا رقیب پردہ در کے آج میں ماری ہے میخ
حلقۂ در کے نمط گھر سے اسے بیروں کیا

نہ کچھ برا ہوا پرویز کا نہ شیریں کا
ترے ہی سر پہ ملے فرہاد جو ہوا سو ہوا

نشاں مجھ دل کا مت پوچھو یہ مجنوں
کہیں اس طرف ویرانہ کے ہو گا

نقاب اپنے رخ کا جو تو باز کرتا
تو گل اپنی خوبی پہ کیا ناز کرتا

وفا کا ہوں پر بستہ نہیں توڑ پنجرا
چلا جاتا جنگل کو پرواز کرتا

تجھے برق خار سے کام کیا جو حیا ہے حق کو تلف نہ کر
یہ ازل کے دن سے نصیب ہے کفِ پائے آبلہ دار کا

لگا جب غیر سینے ہم طبق ہونے وہ مہمان کش
وہ اپنے ہاتھ دھوتا تھا، میں اپنے ہاتھ ملتا تھا

کیا ہوا زلف سے گرہ کھولی
میرے سر کا تو یہ گرہ نہ گیا

قبر میں بھی لئے ہمراہ گیا اپنے کلیم
آہ کیوں دردِ دل اپنا نہ کسی کو سونپا

وہی ایک ہے جو ان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈے ہے
پس لے زاہد اگر مسجد سے بت خانہ ہوا تو کیا

سر بھی ہے تیغ بھی ہے لگا نا ہی تو لگا
کیوں نہ جان پھر کے کہ یہ جیو چھپا گیا

---

(۱) پیرس : مجھی سے پوچھ

(۲) پیرس : دیکھتا ہوں

تا صبح تجھ بغیر عجب میرا رنگ تھا — روشن تھی شمع آہ دل اس پر پتنگ تھا

زبان موج سے یوں بحر کہتا تھا حبابوں سے — کر اپنا سر ہی کھاتا ہے جہاں میں جن نے سر کھینچا

اے شمع تیری باری ہے شب کو کر شام تک — اپنے دنوں کو جتنا میں رونا تھا رو چکا

عمر رفتہ کا نہ پایا کھوج ہرگز اے کلیم — آپ کو جوں شمع میں ہر انجمن میں گم کیا

تو نہ آیا باغ میں شمشاد غم سے خم ہوا — طوق قمری کا فغاں سے حلقۂ ماتم ہوا

کس پریشاں نے میں قدم رکھا ہے پیچ و تاب سے — جادہ آتا ہے نظر جوں زلف کچھ برہم ہوا

وہ نازک تن لطافت سے کسی کو نہیں نظر آتا
مقرر ایک جا تو ہے نہ کیا جانے کہاں ہو گا

وہی دیر، وہی بت وہی مالا — یہی انشاء اللہ تعالیٰ

چھپا ہے آ مری چشم پر آب میں دریا — کہیں نہیں دیکھا ہے اب تک حباب میں دریا

پاس ناموس محبت ہے مجھے از بس کلیم — باغ میں جاؤں نہ ہرگز بے رضائے عندلیب

دنیا نہ کر جوانوں سے یہ بوڑھا چرچلا — مدت سے ہم تو چھوڑ سے پھرتے ہیں تجھے نپٹ

ہمیں تو پانوں پر بھی سر کے رکھنے کو نہ فرمایا
ملیں ہم خاک میں اور لے ترا دامان یا قسمت

رکھتا ہے زلف یار کا کوچہ ہزار پیچ — اے دل سمجھ کے جائیو ہے راہ مار پیچ

برق نظارہ سے از بسکہ جلا ہوں نکلے — تجھ کرم جو کوئی ڈھونڈے مری خاکستر

لالۂ و گل سے مجھے کام کیا میری وحشت — مجھ او پر لائی ہے یک رنگ سے رنگ دیگر

زلف کو خواب میں دیکھا تھا جنوں نے شب کو — صبح بیدار ہوا پائی گلے میں زنجیر

بوسہ تو کچھ نہ تھا اے مری جان اس قدر — تس پر رہے ہو تم سے برا مان اس قدر

سوز غم کھا چکا ہے دل اس پر جگر جلا — کہتا ہے مجکو زخم ہے اک آرزو ہنوز

جو صدا آتی ہے اس وادی سے ہے سینہ خراش — یہ کوئی دل روتا جاتا ہے نہیں بانگ جرس

ہم گُم ہوئے ہیں ضعف سے جوں بو میانِ باغ

پھرتا ہے رنگ گُل کہ ہمارا کرے سراغ

جوں کعبتین گھر میں مرے گُل ہی ہے بساط

یک مشت استخواں ہوں اور شش جہت کے داغ

جو دینا تھا مانگے بغیر از دیا ہے — کٹے وہ زباں جو کہ اس پر ہو سائل

پوچھ مت غم کی داستاں اے دل — کہ پڑا ٹوٹ آسماں اے دل

ہم سے پوچھو ہو پیوتے ہو شراب — ایسے کیا شیخ و پارسا ہیں ہم

تم جام دو پیارے کیوں کر کریں نہیں ہم — خونِ جگر تھا تو بھی پی ہی گئے دو میں ہم

تو یار مل کے ہم سے جب ایک ہو گیا ہو — کس کو بعید مانیں کس کو کہیں قریں ہم

تم ہو تو ہم کہاں ہیں، ہم ہیں تو تم کہاں ہو — یا تم ہی سب ہو ہم میں یا سب کے سب ہیں ہم

طریقِ عشق میں مجنوں و کوہ کن کے نہ کہہ — ہزاروں ہو گئے غارت سو ایک دو معلوم

مانند سرو ہوں کہ نہ گُل ہے نہ بر مجھے — بیکار باغ ہوں نہ سزاوارِ باغ ہوں

جب اصل مذاہب کو واعظ سیتی ہم پوچھا — تب ہم سے لگا کہنے قصے و حکایتیں

رنگ اُڑا مرجھا گیا اور جھڑ پڑا شرمندہ ہوا

تجھ سیتی گُل پر ہوئی کیا کیا خرابی باغ میں

(قطعہ)

جمعہ کو کہتا تھا واعظ سے کھڑا رندِ مست

پھر نظر میں تجھے بھی سود و زیاں ہے کہ نہیں

یہ سخن ہے کہ نہ پی مے سو وہاں پیوے گا

یہاں تو پی لیجیے کیا جانے وہاں ہے کہ نہیں

نے و طنبور میں یہ سوز تو معلوم اے مطرب — کسی کا دل ہوا ہے شاید اس پردہ میں آنا ہُن

کسی سے بھی نہ ملئے ایک گوشہ میں پڑے رہیئے
یہ فرصت یہاں تو نہیں ملتی ہے مرجانے میں ہو تو ہو

تیز ہے یاسناں سے تیری نگاہ   ہو گئی پار مجھ جگر کے آہ

تری جناب میں آیا ہوں یا الٰہ نہ پوچھ
یہی کہ بخش دے اور مجھ سے کچھ گناہ نہ پوچھ

کوئی گُل کا میں عاشق نہیں یہ داغ مجھے بس ہیں
جاتا ہوں میں گلشن سے بلبل نہ ہو آزردہ

اب دم شمردگی سے مجھے کاروبار ہے   ہر دم مرے حساب میں روزِ شمار ہے

غرورِ حسن ممکن نہیں کس کی داد کو پہنچے   غرض تم سُن چکے احوال ہم فریاد کو پہنچے

تو اے باران رحمت آورج میں آموج سے اپنی
کہ یک قطرہ میں میری کشت کا بھی کام ہو جاوے

جہاں میں یہ میں نہیں جانتا کہاں تو ہے   پر اتنا جانوں ہوں سب تو ہی ہے جہاں تو ہے

میں کہتا تھا ساقی ایاغ اب کہاں ہے   نپٹ دیر کے تئیں داغ اب کہاں ہے

اس کے ابرو کی اگر تصویر کھینچا چاہیئے   اول اپنے قتل پر شمشیر کھینچا چاہیئے

دل بھر رہا ہے آبلۂ پا کی جوں کلیم   جز خارِ دشت کے میرا غمخوار کون ہے

(رُباعی)

گگر دو تو چمن میں اچپلی سے نہ گیا   یہ دل بھی کلی سے بے کلی سے نہ گیا
جو کوئی کہہ گیا چھوڑ گیا دل کو یہاں   کوئی دل سے تری گلی سے نہ گیا

ہر چند لگاتے ہیں بتاں گل مہندی   تیرے ہی قدم تلے گئی رُل مہندی
ہیہات ہیہات کیسا ہو گا وہ ہات   جس ہاتھ سیتی داغ ہوئی گل مہندی

میر درد

میاں صاحب میاں خواجہ میر، سلمہ اللہ تعالیٰ، المتخلص بہ درد۔ جوش بہار گلستان سخن، عندلیب خوش خوان چمن این فن، زبان گفتگویش گرہ کشائے زلف شام مدعا، مصرع نوشتہ اش بر صفحۂ کاغذ از کاکل صبح خوش نما۔ طبع سخن پرواز او سرو مائل چمنستان انداز است۔ گاہے در کوچۂ باغ تلاش بطریق گل گشت قدم رنجہ می فرماید۔ در چمن شعرش لفظ رنگیں چمن چمن، گل چین خیال او مدا گل معنی دامن دامن شاعر زور آور ریختہ،(۱) از کمال علاقگی وارستہ۔ (مرد) خلیق (و) متواضع (و) آشنائے درست۔

شعر فارسی ہم (بسیار خوب و مربوط و رنگیں) می گوید۔ اما بیشتر رباعی(۲) (او) گرمی بازار (و) وسعت مشرب اوست۔ غرض از آشنائی مطلب اوست۔

متوطن شاہ جہان آباد (و) بزرگ و بزرگ زادہ (و) جوان صالح (و متقی) از درویشی(۳) بہرۂ وافی دارد۔ فقیر را بخدمت (گرامی) او بندگی خاص است اگرچہ حسن سلوک او عام۔ سرحسن سلوک بپاے خود گرفتہ، اعتزاز را از گوشۂ دل نہادہ۔

خلف الصدق حضرت خواجہ ناصر صاحب، سلمہ اللہ است کہ مقتدائے عالم است۔(۴) ایامے کہ فقیر بخدمت آں بزرگوار شرف اندوز می شد،(۵) از زبان مبارکش می فرمود(ند)

(۱) پیرس : کہ از کمال جودت طبع داد سخن دادہ

---

(۲) پیرس : رباعیات

(۳) پیرس : و از حالت فقر

(۴) پیرس : او شان مقتدائے عالم اند

(۵) پیرس : بزبان مبارک خود

کہ میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد۔ الحمد للہ والمنۃ کہ (ایں) حرف آں سر سلسلۂ خط پرستاں مؤثر افتاد (و) باطن آں خضر قافلۂ اہل عرفاں کہ از ظاہرش ظاہر تر است، زود کار کرد (و) مجلس ریختہ کہ بخانۂ بندہ بتاریخ پانزدہم ہر ماہ مقرر است (وابستہ[1]) بذات ہمیں بزرگ است زیرا کہ پیش ازیں ایں مجلس بخانہ اش مقرر بود۔ از گردش روزگار بے مدار برہم خورد۔ از بس کہ باایں احقر اخلاص دلی داشت۔ گفت کہ ایں مجمع را شما اگر بخانۂ خود معین بکنید، بہتر است۔ نظر بر اخلاص آں مشفق عمل[2] کردہ آمد۔ خدااش (تا) ابد الآباد سلامت دارد۔ از وست:

(شعر درد)

کبھو خوش بھی کیا ہے جیو کسی رند شرابی کا
بھڑا دے منھ سے منھ ساقی ہمارا اور گلابی کا

نہ جھجکے شعلے بھی کتنے، کتنی ہی موجیں مٹیں یارب
کبھو دل کی بھی ہوگا کام آخر اضطرابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یہاں فرصت ہستی
فلک نہیں ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

زمانہ کی نہ دیکھی جر عہ ریزی درد کچھ تو میں
ملا یا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

اکسیر پر ہوس اتنا نہ ناز کرنا
ہے کیمیا سے بہتر دل کا گداز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں اے درد کیا ہے کعبہ
جیدھر پھریں وہ ابرو اودھر نماز کرنا

جگ میں آکر ایدھر اودھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالۂ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا
کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا

---

(۱) انجمن: وابستہ

(۲) پیرس: داشتہ قبول نمود

دیکھیے غم سے اب کے جیو میرا — نہ بچے گا، بچے گا کیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں — کوئی غنچہ کہیں کھلا ہوگا
قتل سے میرے وہ جو باز رہا — کسی بدخواہ نے کہا ہوگا
دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا — آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

عاشق بے دل ترا یہاں تک تو جیو سے سیر تھا
زندگی کا اس کو جو دم تھا دمِ شمشیر تھا

کی تو تھی تاثیر آہِ آتشیں نے اس کو بھی
جب تلک پہنچے ہی پہنچے خاک کا یہاں ڈھیر تھا

حرص کرواتی ہے رو یہ بازیاں سب ورنہ یہاں
اپنے اپنے بوریے پر جو گدا تھا شیر تھا

شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشتِ دل میں ہو
درد منزل ایک تھی تک راہ کا ہی پھیر تھا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا — تو اک دن مرا جیو ہی جاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے — مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
خفا ہو کے اے درد مر تو چلا تو — کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا
تو اپنے دل سے غیر کی اُلفت نہ کھو سکا — میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر — میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا
جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر — تو بھی تو درد داغِ دل اپنا نہ دھو سکا
اندازہ وہ ہی سمجھے مری دل کی آہ کا — زخمی جو کوئی ہوا ہو کسی کی نگاہ کا
ہر چند فسق میں ہیں ہزاروں ہی لذتیں — لیکن عجب مزا ہے فقط جیو کی چاہ کا
دل اس مژہ سے رکھیو نہ تو چشم راستی — اے بے خبر بُرا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں　　نہ تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا　　عاشق پھر جیو کے کیا کرے گا
اپنی آنکھوں میں اس کو دیکھوں　　ایسا بھی کبھی خدا کرے گا

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاک بریدہ ہوں　　جو کچھ کہو سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں
کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی　　افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں
اے درد جا چکا ہے مرا کام ضبط سے　　میں غمزدہ تو قطرۂ اشکِ چکیدہ ہوں

نہ ملئے یار سے تو دل کو کب آرام ہوتا ہے　　وگر ملئے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے
یہ حُسن و عشق مل سمجھیں گے یا آپس میں خوں ہو گا
پران دونوں کے اجھیڑے میں میرا کام ہوتا ہے

یارب سپہر اتنی تو اب درگزر کرے　　کوئی خانماں خراب کسو دل میں گھر کرے
نہ خانۂ خدا ہے نہ ہے یہ بتوں کا گھر　　رہتا ہے کون اس دلِ خانہ خراب میں
میں اور مجھ سے درد خریداریٔ بتاں　　ہے ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں　　دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
مٹ جائیں ایک دم میں یہ کثرت نمائیاں　　گر آئینے کے سامنے ہم آکے ہو کریں
ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول　　منہ پھیر لے وہ جس کے مجھے رو برو کریں
تردامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی　　دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
ہے اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر　　اے دردؔ آکے بیعت دستِ سبو کریں

اس نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں　　پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں
آجائے ایسے جینے سے اپنا تو جیو تنگ　　جیتا رہے گا کب تلک اے خضر مر کہیں
مدت تلک جہاں میں ہنستے پھرا کئے　　جیو میں ہے خوب روئیے اب بیٹھ کر کہیں
پھرتے تو ہو بنائے سج اپنی جدھر تدھر　　لگ جاوے دیکھیو نہ کسی کی نظر کہیں

ایک دل سو وہ بھی ہو ہی چکا صرف داغ سب — بہتا پھرے ہے خوں میں کہیں کا جگر کہیں

(قطعہ)

پوچھا میں دردؔ سے کہ بتا تو سہی مجھے — اے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں

کہنے لگا مکان معین فقیر کو — لازم ہے کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں

درویش ہر کجا کہ شب آمد سرائے اوست — تو نے نہیں سنا ہے یہ مصرع مگر کہیں

مست ہوں پیر مغاں کیا مجھ کو فرماتا ہے تو — پائے بوسی ختم کروں یا دست بوسی سبو

ٹال دینا اس کو نت ہر طرح جو قبلہ نما — پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اسی کے رو برو

ربط ہے نازِ بتاں کو تو مری جاں کے ساتھ — جی ہے وابستہ مرا ان کی ہر ایک آن کے ساتھ

اپنے ہاتھوں ہی کے میں زور کا دیوانہ ہوں — رات دن کشتی ہی رہتی ہے گریبان کے ساتھ

گر مسیحا نفسی ہے یہ ہی مطرب تو خیر — جیوہی جاتے ہیں چلے تیر ہر ایک تان کے ساتھ

جی کی جی ہی میں رہی کچھ بات نہ ہونے پائی — ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید و وا دید تو ہوئی دور سے میری اسکی — پر جو میں چاہا تھا وہ بات نہ ہونے پائی

قطعہ

اٹھ چلے شیخ جیو تم مجلس رندوں سے شتاب — ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی

جی میں مرکوز جو تھی آپ کی خدمت گاری — سو تو اے قبلۂ حاجات نہ ہونے پائی

فرصت زندگی بہت کم ہے — مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے

دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے — دونوں عالم کا ایک عالم ہے

اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن — جو شجر ہے سو نخلِ ماتم ہے

دردؔ کا حال کچھ نہ پوچھو تم — وہی رونا ہے نت وہی غم ہے

مرا جی ہے جب تک تری جستجو ہے — زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا — تیری آرزو ہے اگر آرزو ہے

قیمت ہے یہ دید و وادید یاراں
جہاں آنکھ مُند گئی میں ہوں نہ تو ہے

روندے ہے نقشِ پا کی طرح خلق یہاں مجھے
اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

اے گل تو رخت باندھ اُٹھاؤں میں آشیاں
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے

پتھر تلے کا ہاتھ ہے غفلت کے ہاتھ دل
سنگِ گراں ہوئی ہے یہ خوابِ گراں مجھے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خون ہی رواں ہے
جو کچھ ہے دل میں میرے منہ پر میرے عیاں ہے

آہوں کی کشمکش میں کہیں دیکھیو نہ ٹوٹے
تارِ نفس سے اے دل وابستہ میری جاں ہے

یہ راہ خاکساری میں سر کر قطع کی ہے
نقشِ جبیں ہے میرا ہر نقشِ پا جہاں ہے

مت موت کی تمنا اے دردؔ ہر گھڑی کر
دنیا کو دیکھ تو سہی تو تو ابھی جواں ہے

کب ترا دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے

دردؔ اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے

دل لٹ چکا ہوں اس بت کافر کے ہاتھ میں
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

ماہی سے کچھ نہ ہو سکے بیان شکست کی خلش
جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابلِ دیدار نہ ہووے

پھر موت کسو طرح سے نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

گزرے نہ ترے سامنے سے کوئی کہ دو میں
شیشہ کی طرح دل کی نگہ پار نہ ہووے

دل ویسے ستمگار سے اظہارِ محبت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

دیکھ لوں گا میں اسے دیکھیے مرتے مرتے
یا نکل جائے گا جی نالہ ہی کرتے کرتے

اگلا بی دے مجھے ساقی کہ یہاں مجلس ہی
خالی ہوتی جائے ہے پیمانے کے بھرتے بھرتے

دردؔ جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ اس کے
مٹ گیا اور دل کے ہی پانوں کے دھرتے دھرتے

اپنے بندوں پہ جو کچھ چاہو سو بے داد کرو — یہ نہ آجائے کہیں جی میں کہ آزاد کرو
کوئی دم جو چپ رہا تھا میں بہانا کر مر گیا — اے وائے دردؔ تو نے بھی پراب نہ اسر کیا
ساقی ہوائے ابر میں زور زور کے تجھ بغیر — ایسا ہوا کبھی نہ کہ دامن نہ تر کیا
وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیے — پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دیے
یارب تھی کیا خرام وہ جس نے ایک آن میں — کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلا دیے

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام
اے دردؔ کچھ بہا دیے اور کچھ جلا دیے

سجّاد

میر سجاد، از اکبرآباد است۔ مرد طالب علم مستعد و شاعر خوب ریختہ (است)، شاگرد میاں آبروؔ (است) سجادؔ تخلص می کند۔ بسیار آدمی خوبے است۔ سخن او بپایہ استادی رسیدہ (و) چنیں خوشگو و معنی یاب اگرچہ در بند لفظ تازہ است لیکن بر زبان خامۂ او خیلہائے معنی سپاہی[1] می کند۔ لب و دہن ہر کم بغلے نیست، کہ پیش او چوں کاغذ سفید بشود (و) فکر رنگین او چمن تلاش را سایہ ابر بہارے (است) ہر مصرع بندش را طرف لطف با چنارے (و) ہر بیت بحر خفیفش[2] بر جگر نشتر زن۔ زبان (لطافت[3]) بیانش رگ (جان) سخن۔ بے انصافی امر علٰحدہ است وگرنہ تہ داری شعر او نمایاں است۔ ہر کہ واقف موشگافی طبع اوست می داند کہ[4] عطر سوختہ سپدارش بوے آتش دیدہ می ماند۔

قبل ازیں بخانۂ او مجلس یاراں (و) ریختہ (خوانی) می شد۔ بندہ نیز می رفتم۔

---

(۱) پیرس : سپاہی — (۲) پیرس : حقیقتش
(۳) انجمن : طاقت — (۴) پیرس : و

اکنوں بسبب عوارضات طرفین ربط گونہ ماندہ است[1]۔ (خدا سلامت دارد) از دست:۔

کافر بتوں سے داد نہ چاہو کہ یہاں کوئی   مر جا تم سے ان کے تو کہتے ہیں حق ہوا

اگرچہ باطل باطل است لیکن بجائے کافر کہ اول پیش مصرع واقع است باعتقاد فقیر لفظ باطل حق است۔

گر تیرے کل کے آنے میں کھوئے نہیں حواس   سجاد کیوں پھرے ہے سجن آج فق ہوا

ساقی بغیر جام کے جیو کا بچاؤ نہیں   جیوں فیل مست آوے ہے ابر سیہ بلا

کیوں مشت گل کبھی دل کی نہ رونے میں بہہ گئی
سجاد مجھ کو باقی ہے چشموں سے یہ گلا

غم نہیں گر گم ہوا بالوں میں تیرے جا کے دل
پیچ پر تجھ زلف کے گویا کہ اس کو بل دیا

تجھکو اے سجاد عزیز از خنجر بیداد کے
اور بھی کچھ ظالموں کی دوستی نے پھل دیا

جو دل ہو گلوں سے اٹکتا ہوا   وہ کانٹا ہے جیو میں کھٹکتا ہوا

بتاں تو چاہتے سجاد تجکو   کریں پر کیا خدا نے جو نہ چاہا

گر ٹک زمیں پہ لونڈے کی پیٹھ کو لگا دیں
جانیں ہم اپنے دل میں رستم کے تئیں پچھاڑا

آتش غم نے ہم کو سرد کیا   دل پھپھولا ہوا وہ درد کیا

بتوں کی کبھی یہ یاد دور نہ ہے   ہمیشہ رہے نام اللہ کا

---

(۱) پیرس : اتفاق کمتر ماند

(۲) پیرس : من کلامہ

اب جلا دے ٹک آن کر ساقی — عمر کا بھر چکا ہے پیمانہ

عشق میں جائے گا کہیں مارا — بے طرح دل ہوا ہے آوارا

مقبول اس جہاں کا ہرگز غنی نہ دیکھا — راجا وہی ہے جو کوئی یہاں سے گیا ہے اتا

سجاد کوئی دیکھے بے تابیاں تو دل کی — ہے زندگی ہماری یہ موت کا نمونا

یار سے دل ملا وہ غیر ستی — نہ دل اپنا ہوا نہ یار اپنا

لائو تے ہو میرے آگے کیا دوا — خون دل اپنا پیوں میں یا دوا

دل میں تو خطرہ نہ لا ہرگز طبیب — دیکھ کر میرے مرض کو لا دوا

جان و دل سب قبول ہے جانا — پر گلی میں تری نہ مجھے آنا

میں نے جانا تھا نہ لکھے گا وہ حرف — شوق کے لکھنے کا سجاد نے دفتر کھولا

نیچے اگر خوشی سے آکر چمن میں بلبل — کریاں میں غلغلہ ایسا لگے کہ اڑ جا

خط کترا کے آج قینچی سے — ہم سے ملنے میں جائے ہے کتر

تیری شمشیر سے جدا ہو کر — سر مرا مجھ کو تن نہیں دیتا

کیا کرے پاؤں بھی کہ جنگل میں — کچھ نہیں آبلوں سے چل سکتا

مرے دیکھ کر حال داماں کا — پھٹے کیوں نہ سینہ گریباں کا

سب کی نظر سے گر کر ایک دم میں پست ہو جا

گر نے کشوں میں آوے زاہد تو مست ہو جا

قاتل کی تیغ آگے جاتے ہیں ہم ندھڑکے — ہرگز ہمارے دل میں سر کا نہیں ہے دھڑکا

شتابی پلا دے کہ جاتا ہے ابر — جو کچھ باقی ساقی رہی ہو شراب

سجاد مہرباں کرے کوئی اس کو کس طرح — غصہ ہوا ہے یار میں کچھ ان دنوں غضب

چین دے ہے نہ چین لے ہے آپ — دل ہوا ہے ہمارے جیو کچھ پاپ

کبھی منزل یہ ہوئی نہیں پوری — بہت اس راہ کو گئے ہیں ماپ

ہر کام کا اگرچہ ہوتا ہے سہل اوّل   پر عشق کی ستم ہے کوئی ابتدا نہ انتہا نہایت

ایک دکھ ہے عاشقی کے پنتھ میں   پانوں کے نزدیک راہ دور دست

جلنے سے صدق دل کے سبب بچ گیا خلیل

وہ بات ہے کہ سانچ کو ہرگز نہیں ہے آنچ

دل آبادی میں تنہا کھینچ مت رنج   کہ ویرانے میں دیوانوں کا ہے گنج

بند میں مت رہ دیوانے عقل کے   کر گریباں چاک چھاتی کھول کر

غیروں کو جان خواب میں غفلت کے ڈال کر

اک رات آکے سوز ہو ہم پاس آنکھ موندھ

مر گئے پر اگر نہیں آسیب   کیوں یہ رکھتے ہیں قبر پر تعویذ

مت ہو نالہ عبث کو جا کاغذ   اپنے اوپر نہ حرف لا کاغذ

یہ دھواں سا فلک ستاروں ساتھ   ہے نظر میں مری جلا کاغذ

آسماں ایک رقعہ وار نہیں   غم کے لکھنے کو ہو بڑا کاغذ

جیسے چمن کے بیچ بٹھائے ہیں نونہال   تعظیم تیری کرتے ہیں سب اُٹھ کے سرو قد

اس فصل گل میں جوش جنوں کا ہوا ہے قہر

جنگل میں آ بھرا ہے نکل کر تمام شہر

ہوتی نہیں ہے سرد ہمارے یہ دل کی آگ

لاگی ہے جس زمانے سے جلتی ہے دھڑ دھڑ

سبھی جلتے تھے شمع و پروانہ   رات یہ دن تھے اہلِ مجلس پر

بادِ صبا سے زلفِ معطر کی ہم تلک   مدت ہوئی کہ پہنچی نہیں کچھ خبر عطر

کوئی گم گیا ہوگا زلفوں کی راہ   بہت رکھتے ہیں اس سفر سے عذر

دیوانہ کا نہیں مطلب دیوانہ   تو کیوں نامہ یہ ہے سطروں کی زنجیر

شوق جنوں میں تیرے، عوض چاک جیب کے
نرگس چمن میں دیکھے ہے آنکھوں کو پھاڑ پھاڑ

لختِ جگر ہمارا پانوں کے ساتھ کھا کر   کرتے ہو تم سے باتیں اب تم چبا چبا کر

کیوں زرق برق کر کے نہ حاضر ہو تجھ حضور
ہیں تیرے گھر کے سب یہ زری پوش خواجہ تاش

کھا گیا مجروح دل میرے کو داغ   حال کیا کچھ گوشت کا کرتا ہے زاغ

میرے تمام حال کی تقدیر سے ہے یہ زلف   روزِ سیاہ و نالۂ شبگیر ہے یہ زلف

خاموش اس سبب ستی رہتا ہے بیشتر   تنگ اس قدر ہے منھ کہ نکلتا نہیں ہے حرف

دَور میں رُخسار کے تیرے کہیں انصاف نہیں
خط چُرا لے جائے دل کو اور باندھی جائے زلف

جس خوبرو کے دل میں نہ عاشق سے ہو نفاق
کہتے ہیں سارے اس کے تئیں حُسنِ اتفاق

دل کو کبھی یہ بار دلا کر کے کر کے تو سجن   لاگا نہیں گلے سے مرے آ کے آج لگ

جب تک ترے بدن کو نہ عاشق بدن لگائے
لگتا نہیں ہے تب تئیں ہرگز کچھ اس کے آگ

زلفوں کے جب اُلجھتے ہیں اس ساتھ آ کے بال
دیتا ہے شانہ عاجزی سے دانت تب نکال

گلی میں تری بیٹھتے ہی سجن   ان آنکھوں سے آتے ہیں آنسو نکل

تدبیر اور کچھ نہیں مجنوں کے حسبِ حال   لیلےٰ کے والدین اسے دیں شہر نکال

کیا جانتے تھے ہم سے مل کر کے اصل سے کل
اب کی بہار میں یوں ہو دیں گے فصل سے گل

سجاد فکر ہم نہ کریں کیونکر شعر کی   لگتے ہیں جا کے یار کے منھ سے سخن میں ہم

ایک دل رکھتا ہوں جو چاہے سو لے جاوے اسے

خواہ زلفیں، خواہ ابرو، خواہ مژگاں، خواہ چشم

پھیر جا ہیں خوبرو آنکھیں کریں، ہیں جب بناؤ

دے کے سرمہ کے تئیں ہو جا ہیں ظالم سیاہ چشم

جب ہم آغوش یار ہوتے ہیں   سب مزے در کنار ہوتے ہیں

ناخدائی ٹک ایک کر ساقی   ایک کشتی میں پار ہوتے ہیں

تیر دو بیں کسی نشانے پر   میرے سینے کے پار ہوتے ہیں

اب تو ہم نے کیا گریباں چاک   تیرے دامن کو کس طرح چھوڑیں

برابر اپنے سجن بندگی کے کاموں میں   نہیں میں دیکھتا صاحب کے کوئی غلاموں میں

کس طرح کوہ کن پہ گزریں گی   ہجر کی یہ پہاڑ سی راتیں

از مصنف ہمچنیں ہر دو مصرع شنیدہ شد

ہجر شیریں میں کیونکر کاٹے گا   کوہ کن یہ پہاڑ سی راتیں

ہیں شیشیاں شراب کی پیارے بھری ہوئیں

آنکھیں نشہ کے بیچ تمھاری گلابیاں

میں جو اس کی گلی میں جاتا ہوں   دل کو کچھ گم ہوا سا پاتا ہوں

سایہ میں ہم اس باغ کے ہر بلبل و گل کے ساتھ

مدت تئیں دیوار بہ دیوار رہے ہیں

دیکھوں طبیب درپئے دارو ہے کب تئیں

مرتا ہوں میں تو عشق میں جیتا ہوں جب تئیں

جو اک دھج ہے ابرو سے خمدار میں   کہاں پائی یہ ضرب تلوار میں

ہر سادہ رُو مخطط ہونے کی دھن رکھے ہے
لیکن کوئی نکالے تیرا سا خط تو کہہ دیں

جب کرے ہے ترے دہن کا بیاں — منہ سے غنچے کے پھول جھڑتے ہیں

تیغ تیری کے تلے دھر جائے سر — جان اتنا کوئی بھی رکھتا نہیں

تیری وحشی نگہ سے جنگل میں — بھاگتے پر غزال بیٹھے ہیں

دونوں طرف جو منہ پہ ہیں موجیں بھی جاریاں
لہریں ہیں سیر شوق کی زلفیں تمہاریاں

صیت شعر اب مرا ہوا ہے بلند — شاعروں کو کہو کہ فکر کریں

لبِ شیریں پہ اس کے مرتا ہوں — زندگی اپنی تلخ کرتا ہوں

یہ سجاد کے دل کے جلنے کی قدر — نہیں بجھتی شمع اس کو بجھاؤ

میرا جلا ہوا دل مژگاں کے کب ہے لائق — اس آبلہ پا کو کیوں تم کانٹوں میں اینچتے ہو

ہر چند در مثل تصرف جائز نیست زیرا کہ مثل ایں چنیں است کہ "کیوں کانٹوں میں گھسیٹتے ہو" لیکن چوں شاعر را قادر در سخن یافتم معاف داشتم۔

دیکھ مہندی لگی ان ہاتھوں کو — پھول آ کر لگے ہیں پاؤں کو

تو روزِ وصل میں لے بیٹھے پاس کن کن کو — یہ راتیں ہجر کی کاٹی تھیں ہم اسی دن کو

چھاتی ترستے ہے کھلتے وس کی گانٹھ — زرد ہو غنچہ کی طرح جس کی گانٹھ

سانپ کی طرح کنڈلی مارے ہے — زلف تیری ہے کوئی بس کی گانٹھ

نہ جوں زلف تیرہ ہے ہر دل کی آہ — نصیبوں سے ملتے ہیں بختِ سیاہ

تجھ آنکھوں تلے اندھیرا سا ہے — پتلیاں یہ نہیں نین ہیں سیاہ

دل جیسے خط کے سبزے میں کھلیان ہو گئے
پڑتے ہیں ایسے جنگ میں بھی کھیت گاہ گاہ

(۱)

شرمندہ ہو گئی ہے ترے منھ سے آرسی — اب پھر کے روبرو ترے ہرگز وہ آئنہ

یار کا جامہ ہمیں ہے گا عزیز — یوسف اپنا پیرہن تہہ کر رکھے

رات اُس زلف کا وہ افسانہ — قصہ کوتہ بڑی کہانی ہے

آئینے سے ہے خدا سے پیری میں — بُت پرستی ہے اور جوانی ہے

جو کوئی گرا سو آخر تحت الثریٰ کو پہنچا — ظالم کے گھر کی گلیاں کچھ کم نہیں کوے سے

بے تکلف ہو سبھوں سے وہ ملے ہے سجاد — دخترِ رز بھی عجب طرح کی مستانی ہے

اگر شعر من می بود پیش مصرع ایں قسم می گفتم۔ (مصرع)

بے تکلف ہو پنٹھ سر پر چڑھے ہے سجاد

ہاتھ ہی میں لیے ہے طفلوں کے — یہ تماشے کا دل کھلونا ہے

ٹک ... ہم کرم سنو سنے — پُرانے دردمندوں کی ہو یہ ئے

بختوں بازی کہیں سجن مل جائے — لیکن ایسے کہاں نصیب مرے

عشق کی ناؤ پار کیا ہووے — جو یہ کشتی ترے تو بس ڈوبے

(اگرچہ) ہمہ شعر سُبحان اللہ، لیکن فقیر را از دیدن ایں شعر تواجد دست ہم می دہد، از بسکہ از خواندن ایں شعر حظے برمیدارم، می خواہم کہ بہ صد جا بنویسم

تمھیں غیر سے صحبت اب آ بنی — اسے دوستی ہم سے ہے دشمنی

بُتوں کے تئیں کس قدر مانتا ہے — یہ کافر مرا دل خُدا جانتا ہے

جب تک نہیں پہنچتی ترے آستاں تلک — تب تک ہماری خاک کی مٹی خراب ہے

کچھ یہ سجاد کے جیو پر ہی عجب حالت ہے — ورنہ دیکھے ہیں ان اس درد کے بیمار کئی

(موچیں ...... شیخ ...... نوچے سے کیا اوپڑتی ہے)

---

(۱) حاشیۂ انجمن: آئے نہ = نہ آئے

حاشیۂ پیرس: آئینہ بمعنی نمی آید ــــ آئے ناہ۔

اے صنم زنار پہنی تجھ وفا کے واسطے — ورنہ کوئی کافر نہیں ہوتا خدا کے واسطے

عاشقوں کا صنم لہو پی پی — دم بدم تیری تیغ او گلے ہے

ماہرو بن یہ شمع محفل میں — جیسی روشن ہے سب پہ روشن ہے

سرداری اسکی کسی سے نہ ہو — یہ ابرو تری ننگی شمشیر ہے

پاؤں جنگل میں دھرنے دیتے نہیں — کیا پھپولوں نیں سر اُٹھایا ہے

ہرگز آنے نہ دیں گے غیروں کو — جان ہر چند ہم گئے ہوں گے

حشمت

میر محتشم علی خاں حشمت تخلص۔ سید صحیح النسب بود۔ سپاہی، عمدہ روزگار۔ شاعر خوب فارسی و (شعر) ریختہ فہیدہ، سنجیدہ (بسیار رنگیں میگفت، چنانچہ ترکیب بند مشہور کہ مثل وحشی گفتہ، شاہد حال ایں مقال است و مرد افتادہ بود) با ہمہ (کس) بعجز و انکسار پیش (می آمد)[1] جنسے بود کہ در دل ہمہ کس جاے او خالیست۔ از خاک پاک دہلی (شاہ جہان آباد) بود۔ در مغل پورہ سکونت داشت۔ برادر کلانِ او کہ میر ولایت اللہ خاں باشد از معتنمات روزگار است۔ دیریست کہ ترک روزگار کردہ خانہ نشین است۔ گاہے فکر شعر ہم می کند۔ بر فقیر شفقت و عنایت[3] بسیار می کند۔ خدا در حفظ خودش (بسلامت) نگاہ دارد۔ و آں[4] مرد از نامردی روزگار ناہنجار فوراً فوت شد۔ خداش بیامرزد (دو سہ شعر بنونہ طبع عالی آں مرحوم بہ تحریر آمد) از حشمت است:

---

(۱) انجمن : گفتا آید۔ شورش میں بھی "می آمد" ہے

(۲) پیرس: [illegible]۔

(۳) پیرس: عنایات بسیار

(۴) پیرس: و میر محتشم علیخاں مرحوم

نکہت گل نے نہیں جگایا کسے زنداں کے بیچ
پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

بہار آئی دیوانہ کی خبر لو اگر زنجیر کرنا ہے تو کرلو

کرم اللہ درد

کرم اللہ خاں درد، ہمشیر زادۂ نواب عمدۃ الملک امیر خاں بہادر است۔ بسیار خوش فکر (و رنگین گو) و عاشق سخن[1] (کہ سخن او) خالی از دردمندی نیست۔ خوب[2] می گوید و خوب می فہمد۔ بندہ بخدمت او رفتہ یک ملاقات کردہ ام، طبع شور انگیزے دارد، مرد خوشیست۔ خدااش زندہ دارد۔ ازوست:۔

مرے سینہ میں ہر یک سانس ہو کر پھانس کسکے ہے
خلش دل کی نکل جاوے تو کیا آرام ہو جاوے

سامنے ہوتے ہی پھر غش نہ پائی دل کی
بٹ گیا نوک سنا پر صعیف مژگان کے بیچ

فغاں

اشرف علی خاں، فغاں تخلص، کوکہ بادشاہ احمد شاہ (ولد محمد شاہ بود و) داخل ذیل نیچۂ امرایان است۔ بسیار جوان قابل و ہنگامہ آرا۔ شعر ریختہ را بخوبی می گوید (و) گاہے فکر غزل فارسی ہم می کند شاگرد

---

(۱) پیرس : و عاشق پیشہ

(۲) پیرس : الحق کہ خوب می گوید خوب می فہمد و طبع شور انگیزے دارد۔ بندہ را یک دفعہ اتفاق ملاقات شدہ است۔ و اختلاط بسیار بمیان آمدہ است۔ مرد خوبیست، خدااش سلامت دارد۔

قزلباش خاں مرحوم است

دریں ایام (طبع او به لطیفہ گوئی بسیار مایل است)[1] چنانچہ ناگرمل را، کہ دیوان تن و دخیل پادشاہی است، گھی کی منڈی کا سانڈ[2]، گفتہ، (ہرکہ دیدہ باشد فہمیدہ باشد)[3] وحکیم معصوم را در دربار معلّٰی گاو گجراتی نام کردہ۔ ہرکہ حکیم صاحب را بیند داند بندہ بخدمت او بسیار مربوطم۔ از وست (کہ چند شعرش بہ تحریر قلم می آید):-

(وہ[4] چاہے یا نہ چاہے فغاں آپ چاہیئے
اپنے کیے کو ہاں میرے صاحب نبھائیے)

ساقی نہیں یہاں آپ سے کچھ چشم تر آیا
دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا

آوارہ پریشان و شکستہ دل و بدنام
سنتے تھے فغاں جس کو وہ آج ہی نظر آیا

شمع[5] رومت راہ دے خلوت میں پروانے کتیں
اے تیرے قربان ہم کیا کم ہیں جل جانے کتیں

مسموع گشتہ کہ روزے اشرف علی فغاں و نواب امیر خاں مرحوم در خدمت بادشاہ محمد شاہ، نوّر اللّٰہ مرقدہٗ، استادہ بودند۔ بادشاہ از راہ شفقت و

---

(۱) انجمن: طبع او در مائل لطیفہ بسیار است۔

(۲) پیرس: بامش گھی کی منڈی کا سانڈ گذاشتہ۔

(۳) انجمن: ہرکہ دیدہ باشد فہمیدہ باشد۔

(۴) یہ شعر پیرس کے حاشیے پر ہے۔

(۵) یہ شعر اور اس سے متعلقہ عبارت انجمن میں نہیں ہے۔

مہربانی بہ فغاں فرمودند کہ دریں روزہا اگر شعر ریختہ تازہ گفتہ باشی، بخواں۔
فغاں مذکور چوں ایں شعر را تازہ گفتہ بود، بہ عرضِ اقدس اعلا رسانید،
بسیار موردِ تحسین گشت۔ نواب امیر خاں گفتند کہ شعر بسیار رنگیں و مضمون روشن گفتہ اید
امّا اگر بجائے لفظ "قربان ہم" "بل جائیں ہم" می بود، رتبۂ دیگر داشت۔ چوں حرف
"بل جائیں ہم" برائے سوختن پروانہ مناسبات کلی داشت، حضرت ظل (سبحانی)[1] تحسین
فرمودند و ہمیں حرف مکرر بزبان مبارک خود خواندند "اسے تیرے بل جائیں ہم"،
گویا جان در قالب شعر دمیدہ شدہ۔ غفر اللہ لہٗ)

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سُرخ کا
کب آستیں تری مرے لوہو سے بھر گئی

ایں شعر را مرزا رفیع در غزل خود قطعہ کردہ است و چہ خوب کردہ۔[2]

حاتم

شیخ محمد حاتم، حاتم تخلص۔ از شاہ جہان آباد است۔ (و) می گوید
کہ من با میاں آبرو ہم طرح بودم۔ مردیست جاہل و متکبر و منقطع وضع، دیر آشنا
(مدعی) غنا ندارد و دریافتہ نمی شود کہ ایں رگ کبر بسبب شاعری است کہ ہیچ من
دیگرے نیست یا وضع او ہمین است۔ (بہرحال) خوب ایست، مارا باینہا
چہ کار۔ شعر بسیار دارد (و) دیوانش تا ردیف میم

(۱) نسخے میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔ یہ اضافہ قیاسی ہے۔

(۲) پیرس: و ایں بیت فغاں را سودا یعنی میرزا محمد رفیع، سلمہ اللہ، قطعہ کردہ و چہ خوب کردہ است:

شکوہ کرے ہے کیوں تو میرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

بدست آمده بود (پاره اشعارش نگاشته می شود) [2] با من ہم آشنائے بیگانہ است، [1]

از دست :-

مثالِ بحر موجیں مارتا ہے — لیا ہے جن نے اس جگ سے کنارا

آزاد کو بھلا ہے رہنا جہاں میں ننگا — ہیگا لباسیوں میں جن نے لباس ننگا

پا تو مست دھر بوالہوس بحرِ عمیق عشق میں — جان کو ڈوبا ہے یہاں انجان جو آ کر ترا

نال کی سی طرح چاہے تھا کہ بالا دے مجھے

مدعی آخر کو اپنے زور میں آپ ہی گرا

آبِ حیات جا کے کسو نیں پیا تو کیا — مانند خضر جگ میں اکیلا جیا تو کیا

ہجر میں زندگی سے مرگ بھلی — کہ کہے سب جہاں وصال ہوا

تو نہیں تو کنج تنہائی میں ہے — بوریا کا نقش ہم پہلو مرا

ہر قدم پر سرد پانی ہے سبب — جو چلے وہ قامت دل جو مرا

حاتم بیکس کا تجھ بن کون ہے — کون ہوگا جو نہ ہوگا تو مرا

ہائے بے درد سے ملا کیوں تھا — آگے آیا مرے کیا میرا

اگر شعر من می بود، ایں چنیں می گفتم [3]

مبتلا آتشک میں ہوں اب میں

آگے آیا مرے کیا میرا

پیش گرمی ایں مصرع، خنکی آں شعر روشن است

لیا اُس گلبدن کا ہم نے بوسہ — تو کیا چو ماں رقیبوں نے ہمارا

---

(۱) پیرس : دیدہ شدہ

(۲) انجمن : دپارہ اشعار آں نگاشتہ می شوند

(۳) پیرس : پیش مصراعش چنیں می گفتم

شاید عمل کیا ہے رقیبوں کی بات پر لب تر دلوں کا چور کپڑے ہے چھپا ہوا
نظر آتا تھا بکری سا کیا پر ذبح شیروں کو
نہ جانا میں کہ یہ قصاب کا رکھتا ہے دل گردا
ان دنوں میں دیکھ کر ہم کو اچھلتے ہیں رقیب
پیٹ ہے ان کا بھرا کل پرسوں مرتے ہیں رقیب
وصف آنکھوں کا لکھا ہم نے گل بادام پر
کرکے نرگس کو قلم اور چشم آہو کی دوات
مے پلا کر راہ کھویا ہے رقیبوں نیں اسے
آوے حاتم کی طرف جب کر کھومت آوے
چھین لیتے ہیں مرے دل کو نگاہوں کے بیچ
حُسن رہ زن ہے یہ پنجاب کی راہوں کے بیچ
(بات حاتم کا پکڑ پار اتا روپا شاہ
گرچہ ہے غرق سدا بحر گناہوں کے بیچ)
(تم بنا جان نہیں، جان مرے، جان کے بیچ
تم مگر آکے جلاؤ گے مجھے آن کے بیچ)
ایک دن ہاتھ لگایا تھا ترے دامن کو
اب تلک سر ہے خجالت سے گریباں کے بیچ
(ہوئی زبان لال ترے ہاتھ سے کھاتے بیڑا
کیا فسوں پڑھ (ھ) کے کھلایا تھا مجھے پان کے بیچ)
(آج حاتم سے سجن تم نے بُرا کیوں مانا
کیا خلل اون نے کیا آکے تیری شان کے بیچ)

(عشق نے جنگی لی جب آ کے مری جان کے بیچ
آگ سی بریاں کے بیچ)

(زلف و خال و چشم و خط چاروں ہیں دشمن دین کے
حق رکھے ایمان سلامت ایسے کفرستان کے بیچ

(اہل معنی بجز، نہ بوجھے گا کوئی اس رمز کو
ہم نے پایا ہے خدا کو صورت انساں کے بیچ)

(گر عدو میری بدی کرتا ہے خاص و عام میں
میں اسے رُسوا کروں گا باندھ کے دیواں کے بیچ)

شعر خوب ست لیکن لطیفہ متبدل شد است کہ او در دیوان پادشاہے گفتہ بود[1] برروے امیرے کہ نامش از خاطر رفتہ است۔ در دیوان صاحب رعا شدم۔ صاحب ہم عزت خود در دیوان من خواہند دید،

کوئی دیتا نہیں ہے داد بیداد کوئی سُنتا نہیں فریاد فریاد

سجن نے یاد کر نامہ لکھا اور ہم رہے غافل
بجا ہے معذرت لکھنا ہمیں کاغذ خطائی پر

آج نرگس کا قلم کر کے سجن لکھتا ہوں وصف آنکھوں کا ترے کاغذ بادامی پر

جب سوں تیری نظر پڑی ہے جھلک تب سوں لگتی نہیں پلک سے پلک

دیکھ طور اس دور کا حاتم نیں کی ترک شراب
یاد کر کے سبز رویاں کو وہ اب پیتا ہے بھنگ

در لفظ سبز رویان (ہر صاحب سخن را) تامل کردن ضرور است زیرا کہ[2]

---

(۱) یہ عبارت نسخۂ پیرس میں نہیں ہے۔

(۲) پیرس : چرا کہ

(ایں لفظ) آشنائے گوش ایں ہیچمداں نیست۔

(ایہام)

تھا جے سجن کا ملنا تن سکھ ہے عاشقوں کو

گاڑھے رقیب سارے مرتے ہیں ہات مل مل

دلوں کی راہ خطرناک ہو گئی آیا کہ چند روز سے موقوف ہے پیام و سلام

ہوا ہے سنگ دل نے دکھا مجکو رنگ سرخ

تعویذ مجھ مزار کا لازم ہے سنگِ سرخ

یکرو

یکرو تخلص، مردے بود شاگرد میاں آبرو (دیگر) بر احوالش اطلاع ندارم مگر دو سہ مرتبہ در مجالس ریختہ دیدہ ام۔ با آنکہ ہیچمداں فن ریختہ بود و لیکن خود را ہمہ داں می شمرد۔ از وست:

دل پر مرے ہیں داغ ترے ہجر کے کئی

گننے میں جن کے عمر میری سب گذر گئی

پاکباز

میاں صلاح الدین، عرف کھن، پاکباز تخلص۔ شخصے است گوشہ نشین، شاگرد میاں یک رنگ کہ احوالش نوشتہ آمد۔ بسیار کم اختلاط، گویا آشنا شدن زانمی داند۔ پسر میاں شاہ کمال، نبیرہ شاہ جلال، قدس سرہ، است

اکثر [illegible] مشتاق [illegible]

بتاریخ پانزدہم ہر ماہ قرار یافتہ است[1]، اگر دماغ وفا بکند (البتہ) تشریف می آرد۔ مزاجش خالی از وحشت نیست۔ از وست:۔

جلوے تمہارے حسن کے نت ، ہیں ، یہ ہم کہاں
تم تو سجن ہمیشہ ہو ، افسوس ہم نہیں

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم میرے میاں صاحب

بے تاب

محمد اسمٰعیل 'بے تاب' ۔ مرد درویشے بود ، شاگرد میاں یک رنگ (مصطفےٰ خاں) بسیار مربوط (و) مضبوط الاحوال ۔ دریں ایام بخانۂ جعفر علی خاں می رفت کہ از پشت اسپ بر افتاد و دستش شکست ۔ بیماری دو سہ ماہ کشید آخر از ہماں آزار مرد[2] ۔ خدا ش مغفرت بکند ۔ بافقیر نیز آشنا بودند ۔ از وست:۔

ہوتا اگر کسی سے آشنا دل | تو کیا آرام سے رہتا مرا دل
تڑپ کر مر گئی بلبل قفس میں | پڑی تھی ہائے کس ظالم کے بس میں

یقین

انعام اللہ (خاں) 'یقین' تخلص ، شاعر ریختہ ، صاحب دیوان (است) از بسکہ اشتہار دارد ، محتاج بہ تعریف و توصیف نیست ۔ تربیت کردۂ

---

(۱) پیرس : مقرر است
... ... : رحمت الٰہی رفت

مرزا (جان جاں) مظہر است۔

پدرش اظہرالدین خاں نام دارد۔ باجدش (نیز) در سرہند ملاقات کردہ بودم۔ بسیار آدم (خوب) بامزہ یافتہ (شد) (و بافقیر) بسلوک (و تواضع) پیش آمدہ و ضیافت فقیر کردہ۔ تا دیر نشستہ صحبت مستوفی داشتم۔ شعر فارسی بطرز (نیکو) می گوید[1]

آمدم برسر مطلب، میاں یقیں رام دماں می گفتند کہ مرزا مظہر او را شعر گفتہ می دہد و وارث شعر[2] ہائے ریختہ خود گردانیدہ۔ از قبول کردن این (معنی) بندہ[3] را[4] خندہ می آید کہ ہمہ چیز بوارث می رسد الا شعر۔ مثلاً کسے بر شعر پدر خود یا بر مضمون او تصرف شود۔ ہمہ کس او را دزد خواہند گفت تا بہ شعر استاد چہ رسد!

القصہ پر د بوچے چند کہ یافتہ است، کہ بادشاہ نیز نمی توانم یافت، ایں قدر برخود چیدہ است کہ رعونت فرعون پیش او پشت دست بر زمیں می گذارد (و) بعد از ملاقات ایں قدر خود معلوم شد کہ ذائقۂ شعر فہمی مطلق ندارد۔ شاید از ہمیں راہ مردماں گمان ناموزونیت در حق او داشتہ باشد۔ (و) جمع برایں اتفاق دارند کہ شاعری او خالی از نقص نیست۔ چرا کہ شاعر ایں قسم کم فہم نمی باشد۔

---

(۱) پیرس: می گفت

(۲) پیرس: اشعار

(۳) انجمن: معنش

(۴) پیرس: فقیر

(۵) پیرس و شورش: شاعری او یقینی نیست۔

از شخصے منقول است کہ بخانہ علیۃ اللہ (خاں) کہ پسر نواب عنایت اللہ خاں مرحوم باشد، (انعام اللہ خاں) یقین نشستہ بود و می گفت : ازاں روزیکہ مرزا دست استادی در سر من واشتہ است[1]، شعر من ترقی کردہ شخص مذکور ایں مصرع نظامی را پیش حضار مجلس بآواز بلند (بر) خواند، مصرع :

شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد

حاصل او را بیضہ در کلاہ شکست

و میاں شہاب الدین ثاقب تخلص کہ احوالش[2] نوشتہ خواہد شد، نقل می کرد کہ من محض برائے امتحان بخانۂ او رفتم و یک غزل طرح کردم۔ من غزل با نصرام رسانیدم و او از دو مصرعے موزوں نہ شدہ۔ (و) اللہ اعلم۔

(و) میاں محمد حسین کلیم کہ احوالش گذشت، قصیدۂ گفتہ است مسمی بہ روضۃ الشعراء۔ درو نام تمام شعراء را نقل کردہ[3]. ازاں جملہ نام ایشاں را نیز آوردہ لیکن بکنایہ غریبے کہ سخن فہم می فہمد۔ و آں اینست :۔

یقین کے شعروں پر ہیں بدگماں بعضے کہ اس کے نہیں

غلط ہے ہم نے بوجھا ہیگا مرزا جان جاناں کو

نام مرزا جانِ جان است و شاعر جانِ جاناں بستہ۔ چوں اکثر عوام نام مرزا از غلطی جانِ جاناں می گویند، شاعر مذکور نظر بر شہرت ہم چنیں موزوں کردہ[4]

---

(۱) پیرس : از سر من برداشتہ اند، شعر من ترقی نہ کردہ

(۲) شورش : از سر من برداشتہ است، شعر من ترقی کردہ

(۳) پیرس : احوالش

(۴) پیرس : درج نمودہ

(۵) یہ پیراگراف پیرس میں نہیں ہے۔

اگرچہ نمی بایست کہ گفتگوئے ما با خواص است۔

(۱۳۱) در بزرگ زادگی و شرافت و نجابت میاں یقیںؔ سخنے نیست۔ از خانوادہ بزرگیست[1]۔ بابندہ ہم آشنائی سرسری دارد۔ از وست :-

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس
کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

رو اگر دیجئے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں آئینہ سے بھی گیا کیا دلِ حیراں میرا

یقیںؔ اُس کے دُرِ دنداں کی باتیں جو کیا چاہے
صدف کی طرح دھولے آب گوہر سے دہن اپنا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند
برگِ گُل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

اگرچہ[2] اکثر شاعران ریختہ را متبدل بند یافتہ ام۔ متبدل می گویند و قرار می مانند گویا کہ ایں شعر استاد در حق ایشاں است

ہر چہ گویند بے محل گویند
در قوار دغزل غزل گویند

لیکن شعر یقیںؔ لفظاً لفظاً متبدل رائے آنند رام مخلص است کہ گزشت۔ طرفہ تر ایں کہ آں ہم سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است۔ خدا داند کہ ایں معنی در اصل از کیست شعر ایں است :-

---

(۱) پیرس : بزرگ است۔

(۲) پیرس : شعرائے متقدمین ایں مضمون را بفارسی بستہ اند چنانچہ نوشتہ می شود لیکن معلوم نیست کہ کراست :-

فارسی
ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنم ا

از شخصے منقول است کہ بخانہ علیۃ اللہ (خاں) کہ پسر نواب عنایت اللہ خاں مرحوم باشد، (انعام اللہ خاں) یقین نشستہ بود و می گفت: ازاں روزیکہ مرزا دست استادی در سر من واشتہ است،[1] شعر من ترقی کردہ شخص مذکور ایں مصرع نظامی را پیش حضار مجلس بآواز بلند (بر) خواند، مصرع:

شد آں مرغ کو خایہ زریں نہاد

حاصل او ورا بیضہ درکلاہ شکست

و[2] میاں شہاب الدین ثاقب تخلص کہ احوال نوشتہ خواہد شد، نقل می کرد کہ من محض برائے امتحان بخانہ او رفتم و یک غزل طرح کردم۔ من غزل باتصرام رساندم و ازو مصرعے موزوں نہ شدہ۔ (و) اللہ اعلم۔

(و) میاں محمد حسین کلیم کہ احوالش گذشت، قصیدہ گفتہ است مسمیٰ بہ روضۃ الشعراء۔ درو نام تمام شعراء را نقل کردہ[3]۔ ازاں جملہ نام ایشاں را نیز آوردہ لیکن بکنایہ غریبے کہ سخن فہم می فہمد۔ وآں اینست:

یقیں کے شعروں پر ہیں بدگماں بعضے کہ اس کے نہیں

غلط ہے ہم نے بوجھا ہیگا مرزا جان جاناں کو

نام[4] مرزا جانِ جان است و شاعر جانِ جاناں بستہ۔ چوں اکثر عوام نام مرزا از غلطی جانِ جاناں می گویند، شاعر مذکور نظر بر شہرت ہم چنیں موزوں کردہ،

---

(۱) پیرس: از سر من برداشتہ اند، شعر من ترقی نہ کردہ

(۲) شورش: از سر من برداشتہ است، شعر من ترقی کردہ

(۳) پیرس: احوالش

(۴) پیرس: درج نمودہ

(۵) یہ پیراگراف پیرس میں نہیں ہے۔

اگرچہ نمی بایست کہ گفتگوئے با باخواص است۔

(۱۳۱) دربزرگ زادگی وشرافت ونجابت میاں یقین سخنے نیست۔ ازخانوادہ بزرگیست[1]۔ بابندہ ہم آشنائی سرسری دارد۔ ازوست :-

دل میں زاہد کے جو جنت کی ہوا کی ہے ہوس

کوچۂ یار میں کیا سایۂ دیوار نہ تھا

روا اگر دیجئے اس کو بھی تو کچھ عیب نہیں آئینہ سے بھی گیا گیا دل حیراں میرا

یقیں اس کے دُر دنداں کی باتیں جو کیا چاہے

صدف کی طرح دھولے آب گوہر سے دہن اپنا

کیا بدن ہوگا کہ جس کے کھولتے جامہ کے بند

برگِ گل کی طرح ہر ناخن معطر ہو گیا

اگرچہ[2] اکثر شاعران ریختہ را متبدل بند یافتہ ام۔ متبدل می گویند و توارد می نامند گویا کہ ایں شعر استاد در حق ایشاں است

ہرچہ گویند بے محل گویند
در توارد غزل غزل گویند

لیکن شعر یقین لفظاً لفظاً متبدل رائے آنند رام مخلص است کہ گزشت۔ طرفہ تر ایں کہ آں ہم سلیقۂ سرقہ یکہ بودہ است۔ خدا داند کہ ایں معنی در اصل ازکیست شعر این است :-

---

(۱) پیرس : بزرگ است۔

(۲) پیرس : شعرائے متقدمین ایں مضمون رابفارسی بستہ اند چنانچہ نوشتہ می شود لیکن معلوم نیست کہ کراست :-

فارسی
ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وامی کنیم ما

ناخن تمام گشت معطر چو برگ گل
بند قبائے کیست کہ وا می کنیم ما

از یقین است ۔

آنکھ سے نکلے پر آنسو کا خدا حافظ یقیں
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سوا ابتر ہو گیا

یقیں سوز و گداز اپنے کو گر اظہار میں کرتا
خدا شاہد ہے آتش کا بھی زہرہ آب ہو جاتا

اگر مرکر نہ میں اس شوخ کی خاطر نشاں کرتا
خدا جانے وفا میری کے حق میں کیا گماں کرتا

زباں فولاد کی ہو جب جواب کوہ کن دیوے
ستم ہوتا اگر پرویز کو عشق امتحاں کرتا

کہتے ہیں کہ تسخیریں آئینہ کو آتی ہیں
دل سے نہ ہوا جو کام آئینہ سے کیا ہو گا

نہ دیتا عیش کی خسرو کو فرصت قصر شیریں میں
جو میں ہوتا تو جائے شیر جوئے خوں رواں کرتا

ناچار ہے دل اپنا گیا گور میں یقیں
اس جنس کا جہاں میں کوئی قدرداں تھا

عاشق اور معشوق کی عالم سند کرتے ہیں سب
تجھ سے خونخواری کی طرز اور مجھ سے غم کھانے کی طرح

اب جو اڑ بیٹھیں قفس کے بام پر مقدور نہیں
حیف ہم آگے نہ بوجھے اپنے بال و پر کی قدر

کیا کروں مژگان تر کے ابر نے ڈالا ہے شور
آج بادل بے طرح امنڈے ہیں یہ برسیں گے زور

خال گورے مکھ کا لیتا ہے مرے دل کو چرا
اس نگر میں چاندنی راتوں کو بھی پڑتے ہیں چور

دل نہیں کھنچتا ہے بن مجنوں بیاباں کی طرف
خوش نہیں

اس ہوا میں رحم کر ساقی کہ بے جام شراب
دیکھ کر چھاتی پھٹتی آتی ہے باراں کی طرف

ہمارے درد کی دارو اگر کچھ ہے تو دارو ہے
یہ سب سن کے ساقی بات پی جانے کا کیا حاصل

جب دیکھتا ہوں تنہا تجھ کو سجن چمن میں   کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں
مجنوں کی خوش نصیبی کرتی ہے داغ مجھ کو   کیا عیش کر گیا ہے ظالم دوانہ پن میں

اگر بجائے خوش نصیبی، خوش معاشی می گفت، ایں شعر بسیار بامزہ می شد۔

خوباں یقین کو معذور راب تو رکھو کہ اسکے   لوہو نہیں جگر میں آنسو نہیں نین میں

دوبارہ زندگی کرنا مصیبت اس کو کہتے ہیں
پھر اٹھنا بے دما غوں کا قیامت اس کو کہتے ہیں

نہ گزرا ہوگا مجھ سا کوئی رنگیں باؤلے پن میں
گریباں آپڑا ہے پھٹ کے گل کی طرح دامن میں

یقیں ہے جلتے بلتے کی خبر کیا پوچھ کر لوگے
پڑا ہوگا دیوانہ سوختہ سا کنج گلخن میں

کرتا ہے کوئی یارو اس وقت میں تدبیریں   مرتا ہے یہ دیوانہ اب کھول دو زنجیریں

وہ ناخن ابرو خوباں سے خوشنما تر ہے   کسو کے کام کی جس سے کوئی گرہ وا ہو

خواب میں کس طرح دیکھوں تجھ کو بے خوابی کے ساتھ
جمع آسائش کہاں ہوتی ہے بے تابی کے ساتھ

منفعت نہیں لیتے وفا کو شہر خوباں میں یقیں
کس قدر بے قدر ہے یہ جنس نایابی کے ساتھ

زنجیر میں زلفوں کے پھنس جانے کو کیا کہئے
کیا کام کیا دل نے دیوانے کو کیا کہئے

اگرچہ عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے   نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بھلا بھی ہے

اس اشک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہے کچھ جلا بھی ہے

یہ کون ڈھب ہے سجن خاک میں ملانے کا
کسی کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے

ایک پل بھی نہیں ٹھہرتا ہائے آنسو کی طرح
اس دلِ بے تاب کو کوئی تسلی کیا کرے

وصل کی گرمی سے مجھ کو ضعف آتا ہے یقیں
دیکھیے مجھ ساتھ خوبوں کی جدائی کیا کرے

اس لسنتی پوش سے آغوش رنگیں کیجیے
جیو میں ہے اس مصرع موزوں کو تضمیں کیجیے

مرنے سے عشق کے دوزخ بھی اس فرقہ کے جنت ہے
خدا ہم کو کرے محشور اُمت میں محبت کے

نہ نکلا کام کچھ اس صبر سے اب نالہ کرتا ہوں
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دیوانہ ہوں میں اپنے جیو سے مجنوں کے سلیقہ کا
مرنے سے لے کے مرنے کی طرح فرہاد کیا جانے

یار اگر منظور ہے دنیا و عقبیٰ سے گزر
منزل مقصود ہے دونوں جہانوں کے پرے

مجھے یہ بات خوش آئے ہے اک مجنونِ عریاں سے
کیا کیجے کہاں تک چاک ہم گزرے بیاباں سے

فقیر نیز یک شعر وارد قریب بہ ہمیں معنی و باعتقاد خود بمراتب ازیں شعر[1] بہتر می داند۔ این است۔

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے
اب گریباں ہی سے ہاتھ اُٹھایا ہم نے

از یقین است۔

---

(۱) پیرس: فقیر نیز یک شعر گفتہ است قریب بہمیں معنی و باعتقاد خود بمراتب شعر خود را بہتر می داند

نہ دے برباد خار آشیاں کو عندلیباں کے
صبا تو بھی ہوا خواہوں میں ہے آخر گلستاں کے
تنک ایک انصاف کر کرتا ہے اتنی بھی جفا کوئی
کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی

ثاقب

میاں شہاب الدین ثاقب تخلص۔ مردے درویشے است، متوکل، شاگرد میاں آبرو۔ اکنوں[1] شعر خود را پیش خاں صاحب سراج الدین علی خاں می آرد۔ از چندے بوطن خود رفتہ (است) کہ از مضافات بارہ است۔ بافقیر آشنائی بسیار داشت (غرض) تحفۂ روزگار است[2]۔ درہمہ چیز[3] دست دارد و ہیچ نمی داند۔ حاصل مردے[4] خوبے است، زندہ[5] باشد۔ از وست:۔

ثاقب کی نعش اوپر قاتل میں آکے پوچھا
یہ کون مرگیا ہے کس کا ہے یہ جنازا

---

(۱) پیرس: دریں دلا

(۲) پیرس: بود

(۳) پیرس: درہمہ چیز دست داشت و ہیچ نمی دانست

(۴) پیرس: مرد خوب

(۵) پیرس: خدا زندہ دارد۔

---

(۱)
[مخفی نماند کہ شاعران سمت ملک دکن اکثر بے رتبہ اند، مگر بعضے چنانچہ ولی محمد کہ صاحب دیوان مشہور و معروف است و سید عبدالولی عزلت و سراج و آزاد کہ ہمعصر ولی بود و عارف علی خاں عاجز کہ سر رشتہ مربوط گوئی بدست ایشاں افتادہ است و باقی ہمہ درست حرف زدن نمی دانستند تا بہ شعر گوئی چہ نسبت۔ لہذا بر اشعار اکثر آنہا اکتفا کردہ نوشتہ می آید]

---

(۱) نسخۂ انجمن میں یہ پوری عبارت مبہم ہے اس لیے اس سے صرف نظر کرنا ہی بہتر سمجھا گیا

ولی

ولی (محمد، ملک الشعراء) شاعر ریختہ (زبردست) صاحب دیوان) از خاک اورنگ آباد است۔ می گویند کہ در شاہ جہان آباد دہلی نیز آمدہ بود۔ بخدمت[1] میاں (شاہ) گلشن صاحب رفت واز اشعار خود پارۂ خواند۔ میاں صاحب فرمود (ندکر) ایں ہمہ مضامین فارسی کہ بیکار افتادہ[2] اند، در ریختہ (ہائے) خود بکار[3] ببر از تو کہ محاسبہ خواہد گرفت (و تحسین و توصیف فرمود(ند) از کمال شہرت احتیاج (بہ) تعریف ندارد[4] و احوالش کما ینبغی معلوم من[5] نیست۔ از وست:

نہ پوچھو عشق میں جوش و خروشِ دل کی ماہیت
برنگِ ابر دریا بار ہے رومال عاشق کا

اس کے قدم کی خاک میں صد حشر ہے نجات
عشاق کے کفن میں رکھو اس عبیر کو

غرورِ حسن نے تجھ کو کیا ہے اس قدر سرکش
کہ خاطر میں نہ لاوے تو اگر تجھ گھر ولی آوے

خبرداری سے اس معشوق کے کوچہ میں جا اے دل
کہ اطرافِ حرم میں ہے ہمیشہ ڈر حرامی کا

---

(۱) پیرس : و در خدمت

(۲) پیرس : افتادہ بودند

(۳) پیرس : بردہ ای

(۴) پیرس : نیست

(۵) پیرس : فقیر

اے غنچہ نہ کر تو فخر یہ دل — تکمہ ہے سجن کی بکتری کا

اے چھوڑ کے یار کیوں نکے جاوے — زخمی ہے شکار کیوں نکے جاوے

(جب لگ نہ ملے شراب دیدار — انکھیاں کا خمار کیوں نکے جاوے)

دیکھ کر تجھ نگاہ کی شوخی — ہوشِ عاشق رمِ غزال ہوا

اور مجھ پاس کیا ہے دینے کو — دیکھ کر تجھ کو رو ہی دیتا ہوں

کیا غم ہے اس کو گرمیٔ خورشید حشر سے — بخت سیاہ جس کے سر اوپر ہے سایہ بان

مت راہ دے رقیب سیہ رو کو ایک بار — ڈرے ہزار بار بلائے عیب سے

دشمنِ دیں کا دین دشمن ہے — راہزن کا چراغ رہزن ہے

آغوش میں آنے کی کہاں تاب ہے اس کو — کرتی ہے نگہ جس قدِ نازک پہ گرانی

کہاں ہے آج یارب جلوۂ مستانہ ساقی
کہ دل سے تاب، جی سے صبر، سر سے ہوش لیجاوے

عالم میں ترے ہوش کی تعریف میں کی ہے — ایسا تو نہ کر کام کہ مجھ پر سخن آوے

سن ولی رہنے کو دنیا میں مقامِ عاشق — کوچۂ زلف ہے یا گوشۂ تنہائی ہے

جلد چل ٹک عشق کی راہ میں گر تا پہنچے کہیں
کاہلی کو راہ نہ دے سالک کہ منزل دور ہے

پہنچتا ہے یہ دل کو ہر جاگہ — غم ترا روزئی مقدر ہے

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شبِ خلوت میں دلبر سے
سوال آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

کیونکر سیری ہو حسن سے تیرے — دھوپ کھانے سے پیٹ بھرتا نہیں

اے جان ولی رندۂ دیدار کو اپنے — ڈرتا ہوں مبادا کہ فراموش کرے تو

یک دل نہیں آرزو سے خالی — برجا ہے محال اگر خلا ہے

گناہوں کے سیہ نامے سے کیا غم اس پریشاں کو
جسے وہ زلف دست آویز ہو روز قیامت میں

عزلت

سید عبدالولی سلمہ اللہ، عزلت تخلص۔ از (بندر) سورت اند (و) خلف الصدق حضرت سید سعد اللہ، قدس سرہٗ سورتی کہ مستنبد[1] عالمگیر (بادشاہ) بودند، ۔ درویش وضع، عالم فاضل، بزرگ متوکل۔ مشق شعر[2] فارسی ہم کردہ اند (صاحب دیوان فارسی اند، الحاصل مجموعۂ فضل و کمال اند) لیکن مزاج او شان میلان ریختہ بسیار دارد۔ تازہ[3] وارد ہندوستان کہ عبارت از شاہ جہان آباد است، شدہ اند۔ نسبتے تمام بسخن دارند۔ از اسالیب کلام شان واضح می گردد کہ بہرۂ بسیار[4] از ہندی دارند۔ بااین ہمہ کمال این قدر وسعت مشرب ہم رسانیدہ اند کہ در ہر رنگ چوں آب می آمیزند۔ بافقیر (بسیار محبت دارند، و) جوششہا می کنند۔ مرد با استقامت اند، خدا[5] ایشاں را بسلامت دارد۔ از وست:۔

فقیروں سے نہ ہو بیرنگ لالا فصل ہولی میں
ترا جامہ گلابی ہے تو میرا خرقہ گھوا ہے

(۱) پیرس : مرشد

(۲) پیرس : شعر فارسی بسیار خوب و مربوط می گویند

(۳) پیرس : از چندے وارد ہندوستاں

(۴) پیرس : مانی

(۵) پیرس : حق تعالی بسلامت دارد۔

جس خوش نگہ کو پہنچوں غفلت کی نیند لیوے
میں خفتہ بخت شب کا افسانہ ہو رہا ہوں
اس کو پہنچی خبر کہ جیتا ہوں کسی دشمن سیتی سنا ہوگا
عزلت گمان یوں تھا کہ جل کر ہوا ہے راکھ
پھر دود آہ دل نیں مرا دیدہ ترکیا
بندے ہیں تیری چھب کے مرے جمال والے
سب گل سے گال والے سنبل سے بال والے
اے بلبل اتنی گرد کے دعا ہر سحر تو نہ مانگ
حق تیری آہ سرد چمن کی صبا کرے
نہ پوچھو یہ بگولا ہے مرا ہم قول صحرا میں
یہ قبر حضرت مجنوں ہے ڈانواڈول صحرا میں
ہوئے لیلےٰ کے سر چڑھا اشک مجنوں نیل کے ٹیکے
یے موتی خاک لیتا نہیں کوئی مول صحرا میں
بیاباں کے گلوں سے بوئے رنگ درد آتی ہے
اری بلبل چمن سیں دل اٹھا آ بول صحرا میں
نخل امید بے وفاؤں سے دل سلامت پھرے تو پھل پایا
صحیح[1] اپنا مرض الفت کا جب میں عرض کرتا ہوں
جلے دل کی تشفی کو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے
کیا گرم ہو دیتا ہے جواب خنک اے یار
تاب اپنے دم سرد کی نہیں دل کو ہمارے

---

(۱) پیرس: صریح

چین ابروئے سجن میں میرا جیو اُلجھا ہے دل کھلے گر کبھی دونوں میں گرہ پڑ جاوے
دل میں رندوں کے پھپھولا ہوا عمامۂ شیخ یارب اس بزم سے یہ زہر کا ٹکڑ جائے
سدھارے گل کہاں سونے پڑے ہیں گلستاں اپنے
گئی ہیں بلبلیں کیدھر جلا کر آشیاں اپنے
نہ پوچھو یہ کہ کیفی چشم یہ شرمہ نے گھیری ہے
گریباں گیر ظالم بے سخن فریاد میری ہے
تجھ قبا پر گلاب کا لوٹا دل بلبل گویا ابھی ٹوٹا
بجز رفاقت تنہائی آسرا نہ رہا سوائے لبے کسی اب اور آشنا نہ رہا

آزاد

آزاد تخلص، ہمعصر ولی بود۔ بسیار بصفا حرف می زد۔ ازوست۔
آئیں جہان کی ساری آزاد صفتیں پر
جس سے کہ یار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

سراج

(میاں شاہ) سراج۔ در اورنگ آباد شنیدہ می شود۔ شاگرد سید حمزہ (است) (و) ہمیں قدر از بیاض سید[1] منظور مستفاد می گردد۔ سخن او خالی از مزہ نیست۔ ازوست
تم پر فدا ہیں سارے حُسن و جمال والے
کیا خط و خال والے، کیا صاف گال والے

---

(۱) پیرس : سید عبدالولی صاحب

(مجھ زرد رنگ اوپر غصّے سے لال مت ہو
اے سبز شال والے اودھی) رومال والے)

پی بن مجھ آنسوؤں کے شراروں کی کیا کمی
جس رات چاند نہیں ستاروں کی کیا کمی

نہیں ہے تاب مجھے سامنے ترے جاناں
کہاں سراج کہاں آفتاب عالمتاب

رفوگر کو کہاں طاقت کہ زخمِ عشق کو ٹانکے
اگر دیکھے مرا سینہ رفو چکر میں آجاوے

ہے تجھ آنکھوں کے گرفتاروں میں دل
کیوں نہ ہو مشہور بیماروں میں دل

شعلہ خو جب سے نظر آتا نہیں
لوٹتا ہے تب سے انگاروں میں دل

مجھ پریشاں کی طرف پھر کیوں نکلے آئے
ہے ترے گیسو کے جھکاروں میں دل

عجب وہ سرو گلزار ادا خوش قد ہوا واقع
پرِ بلبل نہالِ گل کو دستِ رد ہوا واقع

ہائے رہ گئی دل میں وہ انگیریوں کی آرزو
سبزۂ تربت مرا ہے پنجہ انگیر ہنوز

نہیں حقیقت میں حُسن و عشق جدا
طوقِ قمری ہے طرّۂ شمشاد

مدت سے گم ہوا دل بیگانہ اے سراج
شاید کہ جا پڑا ہے کسی آشنا کے ہات

شکر للہ ان دنوں تیرا کرم ہونے لگا
شیوۂ جور و ستم فی الجملہ کم ہونے لگا

نہیں ہوا اس شمع رو کے عشق میں داغ ایک سراج
ہیں وہ حسن آتشیں کے ایسے پروانے کئی

تجھ بھواں کے زخم کی لایا ہے تاب
خوب جا بہلا ہے تلواروں میں دل

ہے قیامت چشم و ابرو خط و خال
قید کیوں کرتے ہو لاچاروں میں دل

گلبدن شاید نظر آوے سراج
رات دن پھرتا ہے بازاروں میں دل

نہ بوجھو آسماں پر تم ستارے
ہماری آہ کی چنگاریاں ہیں

نہ جانوں آج کی شب کیوں کٹے گی
میری آنکھوں میں پلکیں آریاں ہیں

(کبت بحر سراج)

مخمور چشموں کی تبرید کرنے کو شبنم ہے سرد آبشوروں کی مانند
روپے کی تھالی سفیدی ہے نرگس کی زردی ہے زر کے کٹوروں کی مانند
دل کے خزانے سیں شاید لے جاوے گا جی مکے جواہر کو عیاریوں سیں
ہردم خیال اوس کا آتا ہے آنکھوں کے روزن سیں چھپ چھپ کے چوروں کے مانند

عاجز

عارف علی خان عاجز تخلص۔ دہ دوازدہ سال شدہ باشد کہ در شاہجہان آباد تشریف داشت۔ بندہ شور[1] او شنیدہ بودم (لاکن بخدمت او نرسیدہ ام) از[2] چندیں بسمت دکن رفتہ۔ اکنوں[3] اززبان سید مذکور بوضوح می پیوندد کہ در برہان پور است۔ دیگر بر حسب و نسبش اطلاع ندارم۔ زبانش بزبان اوباشان است[4] (خوب می گوید) اکثر ریختہ در بحر کبت می گوید۔ (چندے ازو نوشتہ می شود و اکثر[5] قافیہ ہائے نامربوط را خوب موزوں می کند) ازوست:

(ہماری آہ کو لستا نہ سمجھو ہے بل بند   وہ گرز ہے کہ جو توڑے فلک کے ساتوں کھنڈ
تمہارے قد کے مقابل ہے سرویوں بے ڈول   نہال سر کے لگے ہے جوں درخت ارنڈ
ترے کلام سے دل کیوں نہ کانپے اے ناصح   کہ تیری تیغ نصیحت ہے زہر پرے کھنڈ

(۱) پیرس: فقیر شور او را
(۲) پیرس: حالا مدت، است کہ طرف دکھن رفتہ است
(۳) پیرس: اکنوں از زبانی سید عبدالولی صاحب شنیدہ کہ در اورنگ آباد است
(۴) پیرس: می ماند
(۵) پیرس: و اکثرے در بحر ..... و کبت ریختہ می کند۔

ترے رنگ تبسم سے بتوں کو دانت بگلی ہے
ترے عارض کے تل سے گل رخوں کو تاب ملتی ہے

ہماری آہ کے نیزے سے اے ظالم حذر کریو
کہ افلاک اُس کے زہر آلودانی کے آگے چھلنی ہے

کہاں سے قافیہ لالا کہا اپنے شعر میں ڈالا
ہیں عاجز دل میں تیرے داغ یا توں شیخ چلی ہے

میرے سینے میں جب سے داغ ہجر باہ پیما ہے
خراش زخم ناخن سے ہلال کنج پر ایما ہے

اشارے جب سے دیکھے ہم نے اُوس کے تیغ ابرو کے
ہمارا دل تو تب سے لخت لخت اور قیمہ قیمہ ہے

خیال اُوس اچپلی کا کیونکہ پاویں دل میں ہم عاجز
کہ جس کے ناز کے توسن کے آگے برق تو ھیما ہے

نہ جانے دل خیال حلقۂ زلفوں میں ہے کس کے
کہ جی جاتا ہے میرا یار ہر دم مشک سا پس کے

تری آنکھوں کے وصف اے خوش نگہ جب خوب لکھتا ہوں
قلم کو ڈال کر لیتا ہوں چن چن پھول نرگس کے) [۱]

جینہ کے برسنے کی یاد چلی ہے اب آنکھوں سے جان بن آنسو چلیں گے
دردِ کے نیساں کے گوہر غلطاں تو مٹی میں کنکروں سے آہ رلیں گے

تخت جنوں مرا وحشی دیوانوں نے سر پر اُٹھائے ہیں شور وں سے عاجز
اب میاں مجنوں ببولوں کی مور چھلوں کو خرابی سیں آپ ہی جھلیں گے

---

(۱) صرف آخری دو شعر نسخۂ انجمن میں ملتے ہیں جو نسخۂ پیرس سے شعر حاضر ہیں، باقی اشعار نسخۂ پیرس سے نقل کئے گئے ہیں۔

ضیا

(مرزا عطا بیگ ضیا[1] تخلص۔ در اورنگ آباد خجستہ بنیاد سکونت دارد و از قبل ازیں مشق سخن از شاہ سراج می گرفتند، حالیا از میر غلام علی آزاد افادہ حاصل می نمایند۔ احوالش کماحقہٗ معلوم نیست لکن از بیت کہ مسموع شد ظاہر می گردد کہ خوش فکر اند، بیت :

پھول کے مونھ پر تم سیں بارست دم لے سموم
یہ چراغ خانہ بلبل ہے، گُل ہو جائے گا)

احمد گجراتی[2]

احمد گجراتی۔ از وست :

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خود گزر نکلے
نہ پائی راہ دانش میں خسروشاں بے خبر نکلے

نشانی[3] بے نشاں ہم ملک یک رنگی میں پاتے ہیں
خبر چھوڑی دوئی کا ہم نے جب سے ست نگر نکلے

بھرے دو مین کے چھگاں صبوری ساتھ لے توشہ
کمر ہمت سے باندھے ہو پریت کی باٹ پر نکلے

---

(۱) انجمن میں اس شاعر کا ترجمہ نہیں ہے۔
(۲) نسخۂ انجمن میں [illegible] ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ احمد صحیح ہے۔ [illegible] ہے۔ اب اس نسخے سے ان کے خیال کی توثیق ہو جاتی ہے۔
(۳) پیرس: نشان [illegible] ملک یک رنگی
[illegible] نکلے

نین کے ہاتھو کھپرلے، پھیریں درسن کی بھیکیاں کو
نہ پائی ایک در پر بھی بھکاری در بدر نکلے

رہے نادر خیالاں میں، ملے شوریدہ حالاں میں
ہوئے صاحب کمالاں میں کدھر سے آکدھر نکلے

قاسم مرزا

(از) قاسم مرزا ۔ او ہم ہمیں (قسم و ہمیں قافیہ) غزل گفتہ است ۔ معلوم نیست کہ کجائی بود :

گلے میں سر کی لٹ سیلی سوال ہے خال کا دانا
ہوئے جوگی تو کیا یاں واں جدھر نکلے، تدھر نکلے

شوری

شوری[1] جالا پوری ۔ از وست

برسات میں نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب
روشن ہے یہ کہ عاشق ہوا تجھ پر آفتاب

فضلی

فضلی[2] ۔ فضلی راست ۔ مثنوی ایں ہم یک نظر دیدہ ام ۔ شاعر خوبے نبود :

---

(۱) نسخۂ پیرس سے شوری کا ترجمہ غیر حاضر ہے

(۲) نسخۂ پیرس میں فضلی کا ترجمہ نہیں ہے ۔

رکھا ہوں یتم جاں جاناں تصدّق تجھ پہ کرنے کو
کیا سب تن کو میں درپن انجھوں درسن نپائے ہوں

رلبط بین المصرعین ایں شعر سبحان اللہ عجب ربط چپانی است کہ مطلق معلوم نمی شود کہ چہ می گوید و چہ ارادہ کردہ است۔

صبائیؔ

صبائیؔ احمدآبادی۔ از وست :۔ (۱)

زر سے ہے آشنائی، زر سے ملے ہے بھائی
زر نہیں تو ہے جدائی دنیا جو ہے سوز رہے

محمُود

محمود۔ از وست :۔ (۲)

لوگاں کہیں پتھر سے کچھ سخت نہیں لیکن
جو کوئی پیا سے بچھڑا وہ سخت ہے پتھر سے
محمود تجھ میں دستا پورا ہنر وفا کا
ہے کیا عجب جو بھاوے تو ہو کو اس ہنر سے

سالکؔ

سالکؔ۔ از وست : (۳)

---

(۱) نسخۂ پیرس میں صبائی کا ترجمہ نہیں ہے۔
(۲) نسخۂ پیرس میں محمود کا ترجمہ نہیں ہے۔
(۳) نسخۂ پیرس میں سالک کا ترجمہ نہیں ہے۔

پہروں بے ہوش ہوکر ہیں بر ہنہ سر پا بدل تیرے
یقیں بوجھوں تمن پیارے کہ ساقی کو لبھایا ہے

ملک

ملک[۱]، از دوست:

تن من فدا کروں، اس ہُشیار ساقی پر
یک قطرہ مے چکھا کر جن بے خبر کیا ہے

لطفی

لطفی[۲]، از دوست:

تجھ عشق کی اگن سے شعلہ ہو جال اُٹھا جیو ‌ ‌ دل موم کے نمونے گل گل پگھل گیا ہے
جیو کا چمن جلا سو جلتی انگار لے کر ‌ ‌ اکلا کے آگ دینے میں سو جنگل گیا ہے
میں عشق کی گلی میں گھائل پڑا تھا سو ‌ ‌ جوبن کا ماتا آکر مجکو کھنڈل گیا ہے

فخری

فخری[۳]:۔

دیکھوں میں جب تجھے تو چکا چوند لاگ رہے
ہرگز کنے نہ دیکھا نظر بھر کر آفتاب

---

(۱) نسخۂ پیرس میں ملک کا ترجمہ نہیں ہے
(۲) نسخۂ پیرس میں لطفی کا ترجمہ نہیں ہے۔
(۳) نسخۂ پیرس میں فخری کا ترجمہ نہیں ہے۔

ہاشم

ہاشم[1]:

دکھن ہور ہند کے دلبر ہمن سے بے حجاب اچھتے
کر کمر ٹے تے چاند سے پرجن کے خط پیچ و تاب اچھتے

ہاتفی

ہاتفی[2]:-

تیری انکھیاں هور زلف سے کافر ہوا سارا جہاں
اسلام ہور تقوٰی کہاں، زہد اور مسلمانی کدھر

اشرف

اشرف[3]:

پیا بن میرے تیں بیراگ بھایا ہے جو ہونی ہے سو ہوجاوے
بھبھوت اب جوگیوں کا رنگ لایا ہے جو ہونی ہو سو ہوجاوے

غواصی

غواصی[4]:-

جو کوئی اس مزرع دل پر برہ کا بیج بوتا ہے
تو ہرگز اس کے بستاں میں گل امید ہوتا ہے

---

(۱) نسخۂ پیرس میں ہاشم کا ذکر نہیں ہے۔
(۲) نسخۂ پیرس میں ہاتفی کا ذکر نہیں ہے۔
(۳) نسخۂ پیرس میں اشرف کا ذکر نہیں ہے۔
(۴) نسخۂ پیرس میں غواصی کا ذکر نہیں ہے۔

خوشنود

خوشنود[1] :-

سب رین جاگے سحر پڑھ تو بھی سجن آیا نہیں
جب جب کے دیکھی باٹ میں درشن کو دکھلایا نہیں

جعفر

جعفر[2] :

غمزیاں سوں دیکھو شوخ مجھے مار کر چلے
مجروح تسن پہ راہ منیں نہار کر چلے

عبدالرحیم

عبدالرحیم[3] :

آیا فراق اب پیو کا سُدھ بدھ گنوا مجنوں کیا
جس باٹ وہ لیلے گئی، اس باٹ مجھ جانا پڑا

عبدالبر

عبدالبر[4] :

سجن کے ہجر کا نیزا جگر کے بیچ لاگا ہے
نہ چونکے کیونکے اب طالع کہ سونا پہ جاگا ہے

---

(۱) نسخۂ پیرس میں خوشنود کا ذکر نہیں ہے
(۲) نسخۂ پیرس میں جعفر کا ذکر نہیں ہے۔
(۳) نسخۂ پیرس میں عبدالرحیم کا ذکر نہیں ہے۔
(۴) نسخۂ پیرس میں عبدالبر کا ذکر نہیں ہے۔

عزیزاللہ

عزیزاللہ [۱]

غزلے گفتہ است کہ تمام اولیا را در وہ ذکر کردہ است۔ مقطعش اینست:

مجھ نوجواں میں کیا سکت بولوں جو ولیاں کے صفت
عاجز عزیزاللہ او پر دکھن کے سب پیراں مدد

سعدی

سعدی دکھنی [۲]۔ آنچہ بعض ایں را از شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گماں بردہ اند، خطا است۔ ازوست:

ہمنا تمن کو دل دیا تم نے لیا اور دُکھ دیا
تم یہ کیا، ہم وہ کیا، ایسی بھلی یہ ریت ہے
دو نین کے کھپر کروں، رُو رُو بخون [۱] بھروں
پیش سگ کوچت دھروں، پیاسا بجاوے ہیت ہے
سعدی غزل انگیختہ شیر و شکر آمیختہ
در در یختہ در ریختہ ہم شعر ہے، ہم گیت ہے

بیچارہ

بیچارہ [۳]:

پیو سے جدا ہونا نہ تھا، چاہا خدا کا یوں اتھا
جز صبر اب چارہ نہیں، بیچارہ ہو رہنا پڑا

---

(۱) نسخۂ پیرس میں عزیزاللہ کا ذکر نہیں ہے۔
(۲) نسخۂ پیرس میں سعدی کا ذکر نہیں ہے۔
(۳) نسخۂ پیرس میں بیچارہ کا ذکر نہیں ہے۔

حسن

حسن[1] :

جب تے سفر پی نے کیا تب تے غریب آوارہ ہوں
پی بیگ تے آنا کریں یا مجکو لیں بلوائے × کر

حسیب

حسیب تخلص، احوالش معلوم نیست۔ از بیاض سید (عبدالولی) صاحب مذکور نوشتہ شدہ:

(گلبدن پھول کی مت توڑ کے ڈالی آرسے
دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی آرسے[2])

داؤد

مرزا داؤد[3]۔ داؤد تخلص می کند، شاگرد سید صاحب است۔ ایں قدر ہم از زبان سید صاحب بہ تحقیق رسیدہ۔ اللہ اعلم۔ بارے مصرعے را درست، موزوں می کند۔ از وست:

زلف دلبر سے مجکو سودا ہے
خلق کہتی ہے تجکو سودا ہے

میر میران

میر میران صاحب کہ سید است از شش خاں خطاب دارد و بھید[4] تخلص است[5]۔

---

(۱) نسخۂ پیرس میں حسن کا ذکر نہیں ہے۔
(۲) انجمن: گلبدن پھول کی مت توڑ کے ڈالی اڑسے دیکھ ابھی شور کریں بلبل و مالی م ارسے"
[illegible]

ہمیں قدر معلوم می شود ۔(ہمیں دو بیت شنیدہ شد)

آہ گر باغ میں وہ سرو خراماں گزرے
اشک قمری سے گلستان میں طوفاں گزرے

بسکہ ہے آتشِ غم تیز در رونے میں مرے
ناوک ناز ترا دل سے نہ سوزاں گزرے

تجرّد

میر عبداللہ تجرّد (تخلص، مرد طالب علم است) سید عبدالولی (صاحب) می گویند کہ شاگرد منست ۔ ازوست :۔

تجھ رو میں لطف ہے سو ملک کو خبر نہیں
خورشید کیا ہے اس کی فلک کو خبر نہیں

یونس

حکیم یونس۔ احوال او معلوم نیست (کہ کجائی بود) از بیاض سید صاحب (معزی الیہ) نوشتہ شدہ :

صبح جب گلشن سے وہ گل رو گیا — باغ سے باہر نکل گل رو گیا
ہے معطر اب تلک صحرا تمام — اس زمیں اوپر کوئی گل بو گیا
سو گیا جن نے جگایا تھا مجھے — بخت میرا جاگ اُٹھا تھا سو گیا

(موزوں) خواجم قلی خاں

نواب[1] خواجم قلی خاں ۔ ہفت ہزاری صوبہ داری برہان پور است

(۱) نسخۂ پیرس میں نواب خواجم قلی خاں کا ذکر نہیں ہے

از معتقدان سید صاحب است :

موزوں نہیں راہ عشق میں پھر اب قدم رکھا
ہے مصلحت سے دور نجانوں کرے گا کیا

باقر حزیں

میر محمد باقر[۱] حزیں تخلص ، شاعر ریختہ است ، صاحب دیوان ، از نصیریان[۲] مرزا جان جاں مظہر شنیدہ می شود کہ بہ بنگالہ رفت[۳]۔ دیگر احوالش تحقیق نمی گردد ، ازوست :

اس بے وفا کے عشق میں کچھ مجکو جس نہیں
پانوں تلک[۴] ہائے مجھے دسترس نہیں

(جس دن سے ہم سُنا ہے کہ آخر ہوئی بہار
اُس دن سے چھوٹنے کی ہمیں کچھ ہوس نہیں

ویراں ہوئے خزاں سے چمن یہاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ جل مریں تو کہیں خار و خس نہیں

بلبل پکارتی تھی اسیران گُل کے ساتھ
آئی بہار ہائے چمن میں قفس نہیں

توفیق دے کہ شور سے یکدم بھی چپ نہ ہے
آخر میرا یہ دل ہے الٰہی جرس نہیں

کیا ان دنوں میں دھوم مچاتے تھے اب کے سال
جاتی ہے یوں بہار حزیں ہائے بس نہیں

(۱) پیرس : محمد علی کاتب کا سہو معلوم ہوتا ہے
(۲) پیرس : انصاریان (۳) پیرس : رفتہ است (۴) نسخۂ انجمن میں صرف پہلا شعر ہے۔

یاد اب کیوں کر نہ آوے مجکو اپنا گلستاں — ایک دن سکھ سے نہ گذرا جب سے چھوٹا آشیاں
تک تو اے گل رحم سے بلبل کی کر خاطر نشاں — شوق کے مارے کوئی دم میں ابھی دیتی ہے جاں
دور سے بھی دیکھنے گل کو نہیں دیتا ہے ہائے — اس قدر کرتا ہے مجھ پر جور تو اے باغباں
اے حزیں بلبل کے دل پر باغباں جور سے — کیا کیا گزری ہوگی جس ساعت جلا ہے آشیاں)

حشمت

محمد علی حشمت۔ از شاگردان غنی بیگ قبول (تخلص) است۔ اکثر بر شعرا[1] مردمان اعتراضات بے جا می کرد۔ و جواب باصواب می یافت (و) در شعر ریختہ کہ بسیار پاجیانہ می گفت، گہہا[2] دارد۔ حاصل، عجب ہنگامہ پردازے بود۔ دریں ایام ہیچو اوسے ہم بہم نمی رسد۔ ہمراہ قطب الدین خاں در جنگ روہلہ کشتہ شد۔ استاد عبدالحی تاباں بود۔ خداش بیامرزد، از وست:

جب آخزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل — تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل
خط نہیں ترا حُسن سب اوڑایا — یہ سبز قدم کہاں سے آیا

تاباں

میر عبدالحی تاباں، نوجوان بامزہ بود۔ سید نجیب الطرفین، مولد او شاہ جہان آباد است۔ بسیار خوش فکر و خوب صورت (و) خوش خلق (و) پاکیزہ سیرت، معشوق عاشق مزاج۔ تاحال در فرقۂ شعرا[3] ہیچو او شاعر خوش ظاہر از

(۱) پیرس: اشعار
(۲) پیرس: وہم می شنید
(۳) پیرس: زمرۂ

(ممکن[1]) بطون عدم بعرصۂ ظہور جلوہ گر نشدہ بود۔ زبان رنگینش پاکیزہ تر از برگ گل، گلستان سخن را نازک، داغ بلبل۔ سمند رنگینی[2] فکر[3] رسش باگلگون باد بہار (ی) طابق النعل بالنعل است۔ ہر چند عرصۂ سخن او ہمیں در لفظہائے گل و بلبل تمام است، اما بسیار رنگیں می گفت۔ از دیدن رنگ آتش بے اختیار از دہن من گل کمالش[4] سر می زد نسبت شعر او استاد او را رتبہ شاگردی او نبود۔

با فقیر یک صفائی[5] داشت۔ از چندے بہ سبب کم اختلاطی ایں بے پیماں کدورتے بمیاں آمدہ بود۔ اجلش مہلت نداد کہ تلافیش کردہ آید۔

آخر آخر کہ اوائل[6] جوانی او بود، ایں قدر مداومت شراب کردہ کہ ملاقات ہمہ یاراں موقوف شد۔ اکثرے از دوستانش کہ بخانہ او می رفتند، او راست طاقع می یافتند[7]۔ ازیں جہت یاراں دیدن او را موقوف نمودہ بودند) و آب بردن ایں ماجرا را بہ بیند کہ ہشت ہفت روز ز ودیعت حیات سپردن او باقی ماند، یک مرتبہ توبہ کردہ وبہ ہمہ آشنایان (و دوستان) خود رقعہ ہا نوشتہ[9] (بایں مضمون واقعہ) کہ عزیزان من

---

(۱) انجمن: حکن، شروانی میں بھی ممکن ہے

(۲) پیرس: رنگینیش

(۳) پیرس: فکر عالی

(۴) پیرس: کمالیت

(۵) پیرس: صفائے کلی

(۶) پیرس و شورش: اول

(۷) پیرس: لایعقل

(۸) پیرس: لاکن بفضل و کرم الٰہی عاقبت بخیر شد کہ چوں ہفت ہشت روز قبل از فوت خود توبہ نمودہ

(۹) پیرس و شورش: نوشت

(از شرب شراب) توبہ کردہ ام۔ شما شاہد و خبرگیران من باشید چاکہ شراب بہ سبب کثرت استعمال مزاج من شدہ بود۔ از گذاشتن[۱] این از خود گذشتن من پر نزدیک می نماید۔ غافل انا حوال من بودن از عقل بسیار دور است۔ آخر الامر ہماں شد کہ گفتہ بود۔ حاصل آفتاب تابان از زرد و لب بام رسید، معشوق عجیبے از دست روزگار رفت، افسوس، افسوس، افسوس۔ امید قوی است کہ حق تعالیٰ مغفرتش[۲] کردہ باشد۔ از وست:

ہے سوز عشق یہاں تئیں مجھ میں بعد مرگ — پروانہ مرغ روح ہو شمع مزار کا

قد حلقہ کماں اسی حسرت میں ہو گیا — تیر ہدف کبھی نہ ہماری ہوئی دعا

اخگر کو چھپا راکھ میں میں دیکھ کے سمجھا — تاباں تو تہہ خاک بھی جلتا ہی رہے گا

پاس تو سوتا ہے چنچل پہ گلے لگتا نہیں — منتیں کرتے ہیں ساری رات ہو جاتی ہے صبح

جیو میں آوے سو کہہ تو تاباں کو — لَیْسَ مِنْ فِیکَ شَتْمُنَا بِقَبِیح

مرا بس ہو تو ہرگز خط نہ آنے دوں ترے لیکن
لکھا قسمت کا کوئی بھی مٹا سکتا ہے کیا قدرت

لگ رہی ہیں ترے عاشق کی جو آنکھیں چھت سے
تجھ کو دیکھا ہے مگر اُن نے لب بام کہیں

لے میری خبر چشم مرے یار کی کیوں کر — بیمار عیادت کرے بیمار کی کیونکر

بال اپنے کھولتا ہے جب تو اے خورشید رو
چاند سے منھ پر ترے اس آ جاتا ہے ابر

آتا ہے فاتحہ کو گر وہ رقیب ساتھ — لاتا ہے خار قبر پہ میری بجائے گل

---

(۱) شورش : از گذاشتن این از ہم گذشتن من ... ہم نماید۔
پیرس : از گذشتن از ہم گذشتن من پر نزدیک می نماید

آشنا تو مجھ سے ہے ایسا کہ جیسا چاہیئے
پر جو کچھ دل چاہتا ہے ہائے وہ ہوتا نہیں

ساقی ہو اور چمن ہو مینا ہو اور ہم ہوں
باراں ہو اور ہوا ہو سبزہ ہو اور ہم ہوں

ایمان و دیں سے تاباں کچھ کام نہیں ہے ہم کو
ساقی ہو اور مے ہو دنیا ہو اور ہم ہوں

لایا خاک میں گھر کوہ کن کا ہائے خسرو نیں
یہ کیا بات آ گئی اس خانماں آباد کے دل میں

جفا تو چاہیئے اے شوخ مجھ پہ یہاں تک کر
کہ سب کہیں مجھے رحمت تیری وفا کے تئیں

دیکھنا ان ماہرویاں کا تو اے تاباں نہ چھوڑ
چاہتا ہے گر ہمیشہ نور بینائی کے تئیں

ویسے ہم شربوں میں آ تاباں
رت جگتے ہوں گے حضرت رمضاں

جوں برگ گل سے باغ میں شبنم ڈھلک پڑے
کیا ہو کہ برگ تاک سے یوں مے ٹپک پڑے
محفل کے بیچ سن کے مرے سوز دل کا حال
بے اختیار شمع کے آنسو ڈھلک پڑے

کاٹیں ہیں بتاں تاباں جو شمع زباں میری
یہاں بات کے کہنے کی ہوتی ہے گنہگاری

سفیدی جو آئی ہے داڑھی میں تیری
سمجھ شیخ یہ تار و پود کفن ہے

شیخ جو حج کو چلا چڑھ کے گدھے پر یارو
زور نہیں ظلم نہیں عقل کی کوتاہی ہے

رکھتا تھا ایک جیو سو تیرے غم میں جا چکا
آخر تو مجھ کو خاک میں ظالم ملا چکا

دیتا نہیں ہے ساقی اس ابر میں پیالہ
آتا ہے مجھ کو تاباں بے اختیار رونا

گلی میں اپنی روتا دیکھ مجکوں وہ لگا کہنے
کہ کچھ حاصل نہیں ہوئے دساری عمر رو بیٹھا

تو بال کھول نہایا تھا ایک دن اب تک
ہر ایک موج کو ہے پیچ و تاب دریا میں

ہر ایک کو کیجیو تیروں کا اپنے تو نشانہ
کہ نہ بچیں گے مرے استخواں ہما کے تئیں

بہے اشک از بسکہ آنکھوں سے میری
لب جو ہوا ہے کنار گریباں

ہاتھ بے فائدہ زنداں میں نہ دوڑا مجنوں
طوق ہے تیرے گلے میں یہ گریباں تو نہیں

خوانِ فلک پہ نعمتِ الوان ہے کہاں — خالی ہیں مہر و ماہ کی دونوں رکابیاں

مرتے ہیں آرزو میں اس وقت آن پہنچو — ٹک تم کو دیکھ لیں ہم جلدی سے جان پہنچو

میں گورِ غریباں پہ جا کر جو دیکھا — بجز نقشِ پا لوحِ تربت نہیں ہے

نہ پائی خاک بھی تاباں کی ہم نے پھر ظالم — وہ ایک دم ہی ترے رو برو ہو سو ہوا

آرزو ہی رہی پہ دانۂ تاک — قطرۂ مے کبھو نہ ہو ٹپکا

مرنے کے سے تو نہیں کچھ مرے آثار ہنوز — رحم کر رحم کہ جیتا ہے یہ بیمار ہنوز

کیا میں فرض کہ محشر کے تئیں مجھے بخشیں — جو تو نہ ہووے تو فردوس بھی جہنم ہے

ترے پاس عاشق کی عزت کہاں ہے — تجھے بے مروت محبت کہاں ہے

مری گور پر لوگ رکھتے ہیں گل کو — تری دلربائی کی غیرت کہاں ہے

بتاں کیا کروں ناتوانی میں اپنی — مجھے بات کہنے کی طاقت کہاں ہے

میرا جواب نامہ یہاں لکھ چکے پر اب تک — قاصد پھرا نہ لے کر وہاں سے جواب نامہ

گئے نالے ترے برباد مانندِ جرس چپ رہ — اثر دیکھا تری فریاد میں دل ہم نے بس چپ رہ

تری ابرو سے نہ چھوٹے گا مرا دل ہرگز — گوشت ناخن سے بھلا کوئی جدا ہوتا ہے

توسے پی اس قدر ظالم کہ تجھ کو کیف کم ہووے
ترا بے ہوش ہو جانا ہمارا ہوش کھوتا ہے

بتاں کے شہرِ ناپرساں میں کوئی کب داد کو پہنچے
مگر واں اپنے بندوں کی خدا فریاد کو پہنچے

قیامت مجھ پہ کل کی رات اس کے ہجر میں لائی
نہ آیا یار میرا آج بھی وہ رات پھر آئی

(رباعی)

ہوتا ہوں ترا جو اشتیاقی ساقی — بے خود ہو پکارتا ہوں ساقی ساقی

ہے مجھ کو [illegible]

خاکسار

محمد یار خاکسار تخلص، عرف کلّو۔ شخصے است خادم درگاہ قدم شریف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ (و آلہ) وسلم۔ شعر ریختہ می گوید و خود را دور می کشد و بسیار سفلگی می کند بلکہ از تنک آبی بنائے ریختہ را بآب رسانیدہ چنانچہ علی الرغم ایں تذکرہ تذکرۂ نوشتہ است بنام معشوق چہل سالۂ خود و احوال خود را اول از ہمہ نگاشتہ و خطاب خود (را) سید الشعراء پیش خود قرار دادہ۔ آتش کینہ کہ بے سبب افروختہ است چوں کبابم بو می دہد۔ ایں قسم سپئے من رسیاں می تا ید کہ (تو) گوئی لپسر رسن تاب است۔ محمد معشوق کنبوہ کہ مردے است نائب میر بحر، بسیار گرم جوش و یار باش (است) چوں شنید کہ خاکسار کلّو ہم نام دارد، بداہتاً[1] گفتہ، مصرع :

کتا ہے دربار کا کلّو[2] اُس کا نام

چوں کلّو اکثر نام سگہا می گذارند، لطف ہم رسانید۔ ہر کہ لا بۂ او دیدہ است، می داند، فخر او ہمہ بر ریختہ است۔ طرفہ ایں کہ آں ہم نامربوط و خود او ہم نادرست۔ تقلید مرزا جان جان مظہر در ہر امر می کند (با وصف آنکہ ہیچ رتبہ ندارد) اگر[3] کسے تکلیف شعر کند، گوید کہ وقتے بیمار بودم۔ آہ آہِ من ایں رنگ داشت۔ سبحان اللہ مردماں ایں لاشعری نامند۔ بابا! من شعر نمی گویم و با ایں برادران یوسف کہ ما شاء ال باشیم (ربطے ندارم[4]، معاف دارید) الغرض بسیار کم فرصت و بے تہ است۔

---

(۱) پیرس : کلرا

(۲) پیرس : بدیہتہ

(۳) پیرس میں یہ جملہ نہیں ہے

این چند شعر سے کہ بنام او نوشتہ می آید، از فیض سخن است، از وہست:-

دل شیفتہ ہو کے کیا لیا تیں
اسے خانہ خراب کیا کیا تیں

تیری زلف سیہ سے اے پیارے
مجکو یک سر ہزار سودا ہے

خاکسار اس کی تو آنکھوں کے کہے مت بلکو

مجھ کو ان خانہ خرابوں ہی نے بیمار کیا

برتتبع این فن پوشیدہ نیست کہ بجائے "بیمار کیا" "گرفتار کیا" می بایست۔

تیغ قاتل سے ہوئے محروم بے تقصیر ہم
روز محشر کے اٹھیں گے گور سے دل گیر ہم

کیا ہے اس خاکسار کی تقصیر
یہ کہ تم کو پیار کرتا ہے

کیا ہے حاصل تجھے ناصح مرے سمجھانے میں
آہ جوں شمع ہے راحت مجھے مر جانے میں

خاکسار عاشق سے خوار کو تقوے سے کیا
ابھی دیکھا تھا اس رند کو مے خانے میں

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سے
مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے

واسطے مین کے جا ئیل ہے بوسے گل کو
گھر ترے خانہ خرابوں سے جو بنیاد کرے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی
اس خانماں خراب کو چنگا خدا کرے

عشوہ و ناز کو ترسے پیارے
یہ ترا خاکسار جانے ہے

شانہ آہستہ کیجیو حجام
مار[1] اس زلف کا رگ جاں ہے

---

(۱) پیرس : تار۔

درد مند

محمد فقیہ درد مند (تخلص) ہر چند کہ یک ملاقات با او کردہ ام لیکن خوب از احوالش مطلع نیستم۔ این قدر (می) دانم کہ نظر یافتہ[1] مرزا مظہر مسطور است و اشعار او ہم بگوش فقیر نہ رسیدہ مگر چند بیت ساقی نامہ کہ در مدح ممدوح خود گفتہ۔ (از دست) :

کرے کیوں نہ مشکل دو عالم کی حل　　کہ جس کا یداللہ ہے بانہہ بل
کوئی آج اس کے برابر نہیں　　وہ سب کچھ ہے الا پیمبر نہیں

کدام محمد علی خانے داشت، در صفت او گوید :۔

پڑی اس کی خوبی کی از بسکہ دھوم
لیا ہاتھ قدرت کا صانع نیں چوم

در شروع ساقی نامہ گوید :

ارے ساقی اے جان فصل بہار　　یہی تھا ہمارا و تیرا قرار
ہمارے بسرنے کی یہ فصل نہیں　　فراموش کرنے کی یہ فصل نہیں

در قسمیہ گوید :

تجھے وعدہ کر بھول جانے کی سوں
تجھے اپنی سوگند کھانے کی سوں

در فخریہ گفتہ :

تری جان کی سوں غنیمت ہوں میں　　سلیقوں میں ظالم قیامت ہوں میں
مرا عقل میں کون انباز ہے　　ارسطو مرا ایک دوا ساز ہے
فلک چرخ مارے گا گر صد ہزار　　نہ لاوے گا مجھ سا کوئی روبکار

(۱) پیرس : نظر کردہ

در اشتیاق گوید:

نہ یہ سمے نہ یہ باغ رہ جائے گا
نہ ملنے کا یہ داغ رہ جائے گا

عاصمی

خواجہ برہان الدین عاصمی تخلص۔ شاعر ریختہ (است) و مرثیہ ہم خوب می گوید۔ وضعے معقولے دارد۔ در (شمشیر[1] شناسی) دستے[2] تمامے است۔ متوطن شاہ جہان آباد (است) در بہادر پورہ سکونت دارد۔ ومزاجش مائل لطیفہ گوئی بسیار است (و) در علم تاریخ مہارتے[3] خوب پیدا کردہ۔

از مغتنمات روزگار است، اگرچہ روزگار با او مساعدت نمی کند۔ (خدا سلامت دارد) از وست:

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا
خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتایا باغباں رو رو کے یہاں غنچہ تھا، واں گل تھا
رات کو میں شمع کی مانند رو کر رہ گیا صبح کو دیکھا تو سب تن اشک ہو کر بہہ گیا

شوق

میاں حسن علی شوق تخلص۔ از شاہ جہاں آباد است۔ سپاہی پیشہ شاعر ریختہ۔

---

(۱) انجمن: شمشیر شناسیش۔ شروانی میں بھی شمشیر شناسی ہے۔

(۲) پیرس: مہارت تمام دارد۔

(۳) پیرس: مہارت

شاگرد خاں صاحب سراج الدین علی خاں (است) بندہ را بخدمت او ربطِ کلیت
اکثر اتفاق ملاقات (واختلاط) می افتد۔ ازوست:

قاصد پھرا نہ وہاں سے جواب تک، تو آ چکا — القصہ اس گلی میں گیا سو جا چکا
اپنے پاس مجھ کو کام اجابت سے کیا رہا — وقتے کہ جب دعا ہی سے میں ہاتھ اٹھا چکا
اگر قاصد ترے کوچے سے ٹک جلدی نہ آوے گا
تو پیارے دیکھیو پھر تو کہ میرا جیو ہی جاوے گا
میں اپنی کم زبانی سے عزیزاں گرچہ مرتا ہوں — لب زخموں سے قاتل کا ادائے شکر کرتا ہوں
عبورِ بحرِ دنیا میں سبک ساری سے کرتا ہوں — حباب آسا شمارِ دم سے بے کشتی گزرتا ہوں
سراپا آرسی ہیں دیدۂ بیدار پر تو بھی — تری اس چشم خواب آلودہ آگے ہو نہیں سکتے
مدت سے یہ بحث درمیاں ہے — پر علم نہیں کمر کہاں ہے
کسی کو باغِ دنیا سے نہ دیکھا شاد ہم جاتے — برنگِ شبنم اک عالم یہاں سے چشم تر گزرا
دکھا دیدار اے پیارے کہ میں فرقت سے مر گزرا — مری فردائے محشر آج ہے میں کل سے در گزرا
ماتم میں میرے کوئی نہ رویا تو غم نہیں — تربت پہ میری شمع کا ہنسنا بھی کم نہیں
تروار کس پہ کھینچتے ہو ہم تو مر چکے — پیاسے ہو کس کے خون کے ہم میں تو دم نہیں
آ چکا خط کلی پہ تیرا انت نیا اک ناز ہے — ہو چکی آخر بہار اور اب خزیں آغاز ہے
خبر لے شوق کی ظالم تری فرقت سے مرتا ہے
بد از تلوار ہے اس پر جو کوئی دم گزرتا ہے
بجھے گی آتشِ دل ہم نے جانا تھا گھٹا آئی — ہوائے ابر نیا دو دونی دے یہ آگ بھڑکائی
بجز مرور کے عاشق سے کچھ خیال نہیں — ...کی زلف کو [illegible] ہے سودائی
کیا کیا ستم نہ تجھ سے جو کیے چشم یار نے میں — یاں تھیں مجھ [illegible] دکھا چکا
آج ہی ملو تو بہتر وعدہ غلط ہے کل کا — جوں [illegible] اشک میں تو مہمان ہوں کوئی پل کا

رُسوا

رُسوا (تخلص) شخصے بود ہندو۔ حالا[1] قید مذہب نمانده است۔ پیش ازیں در توپ خانۂ (بادشاہی) نوکری (می) کرد۔ از چندے ترک روزگار گرفتہ آوارۂ دشت گمراہی شدہ۔ وضع ساختہ داشت۔ اکثر[2] کہ در اثنائے راہ دیدہ شدہ است، مست گذارہ یافتہ ام۔ پیشتر (ازیں) عاشق طفل[3] ہندوے بود۔ او از قضا[4] مرد۔ (و) عاشقی او بہوس مبدل گشت۔ ازبسکہ شراب می خورد و حالات مستی خود بمردہاں می نمود۔ درایں پردہ عالمے را آب می رسانید و بسر می برد۔ عریانی[5] را لباس خود مقرر کردہ می گشت۔ آخر درہماں برہنگی جامۂ (زندگانی) گذاشت۔ (چند شعر از و نوشتہ می آید) از دست:

(شمع جل جاتی ہے جلتے دیکھ پروانے کتیں
موم دل ہے کیوں (نہ) چاہے اپنے دیوانے کتیں)

(گو زخم سے کر دل کا نہ سیوے سرامیاں
میں مر گیا تو کیا ہوا، جیوے سرامیاں)

قفس سے وہ ول گئے ہم اور چمن میں جائے نہیں
اُڑیں تو پر نہیں رکھتے، چلیں تو پائے نہیں

وصل میں بیخود رہے اور ہجر میں بیتاب ہو
اس دیوانے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

---

(۱) پیرس: حالیا

(۲) پیرس: کہ اکثر در اثنائے راہ مست لایعقل دیدہ شدہ

(۳) پیرس: ہندو بچہ

(۴) پیرس: او از قضائے الٰہی مرد

(۵) [illegible] اختیار کردہ بود

ہر گلی میں گر پڑیں ہیں مست ہو دیوار و در | ابر رحمت برستا ہے یا برستی ہے شراب
آرام تو کہاں کہ ٹک اک سو کے چپ رہیں | آنسو بھی نہیں رہے کہ بھلا رو کے چپ رہیں

قائم

محمد قائم متخلص بقائم۔ جوانے (خوبلے) است، خیرہ و طیرہ، حُسن پرست، نوکر پیشہ۔

مدتے داخل جرگۂ میاں خواجہ میر صاحب ماند۔ اکنوں با مرزا (محمد) رفیع (سودا) مشورہ است۔ بافقیر نیز آشنا است۔ (سخن او خالی از کیفیت نیست، خدا سلامت دارد) از وست:

دریا ہی پھر تو نام ہے ہر اک حباب کا | اُٹھ جائے گر یہ بیچ سے پردہ حجاب کا
کیوں چھوڑتے ہو دُرد تہِ جام سے کشو | ذرّہ سہے یہ بھی آخر اسی آفتاب کا
درد دل کچھ کہا نہیں جاتا | آہ چپ بھی رہا نہیں جاتا
جا ہے ماتم کی نت مرے دل میں | اس نگر سے رہا نہیں جاتا
ہر دم آنے سے میں بھی ہوں نادم | کیا کروں پر رہا نہیں جاتا
(بلبلاں کا اگر جو درد سُنے | باغباں پھر چمن کے گل نہ چُنے)
جس کا عاشق پتنگ سا جل جائے | شمع کیوں کر کھو کر سر نہ دُھنے)
یہ کہیو تو قاصد کہ ہے پیغام کسی کا | پر دیکھیو لینا نہ کبھو نام کسی کا
الٰہی واقعی اتنا ہی بد ہے فسق و فجور | پر اس مزہ کو سمجھتا جو تو بشر ہوتا
بنا دے کوئی عمارت سو کس توقع پر | پڑا ہے قصر فریدوں بن آدمی سونا
نیک و بد جو تجھے کرنا ہے سو کرے قائم | پھر امید نہیں ہے کہ جہاں ہووے گا
کو نوحہ گر کو خاک پہ میری ہو گرم شور | تھا اک چراغ گور سو وہ بھی خموش تھا

---

(۱) پیرس: قائم تخلص۔

ہم سے بے بال و پر اب جائیں کدھر اے صیاد
کاش میں ذبح کیا ہوتا کہ آزاد کیا

یکدگر جب خفگی آئی تو جھگڑا کیا ہے — تجکو خواہندہ بہت مجکو طرحدار بہت
بھلا اے ابر مژگاں اب تو بس کر — ابھی تو کھل گیا تھا تو برس کر
بہار عمر ہے قائم کوئی دن — اسے جوں گل پیارے کاٹ ہنس کر
دامن نہ کھینچ خاک سے میری اے شعلہ خو — پر بے قرار ہے ہوس سوختن ہنوز
اے محنت آزمائے عاشق — تب خوش ہو کہ مر ہی جائے عاشق

ہمارے درد دل کے تئیں سلے کب بیدرد پوچھیں ہیں
ہم اپنے جیو سے عاجز ہیں انھوں کو عیش سوجھیں ہیں
رو کے سے ہے کون تیغ مری عشق نیں کہا — بولا ادھر سے داغ جگر لے سپر کہ ہم
نہ دل بھرا ہے نہ اب نم رہا ہے آنکھوں میں
کبھی جو روئے تھے خوں جم رہا ہے آنکھوں میں
موافقت کی بہت شہریوں سے میں لیکن
وہی غزال ابھی رم رہا ہے آنکھوں میں
وہ محو ہوں کہ مثال حباب آئینہ
جگر سے اشک نکل تھم رہا ہے آنکھوں میں

صحرا پہ گر جلوں مجھے لاوے عتاب میں — کھینچوں ہر ایک خار کو پائے حباب میں
آوے خزاں چمن کی طرف گر میں رو کروں — غنچہ کرے گلوں کو صبا گر میں بو کروں
کھلتی ہے چشم دید کو تیری پہ جوں حباب — اپنے تئیں بن آپ نہ آیا نظر کہیں
(رہنے دو میری نعش کو ہو جائے تا غبار — لے جائے گی اڑا کے نسیم سحر کہیں)
اے دل برنگ غنچہ نہ مل گل رخوں سے تو — اپنی گرہ میں ان کے کھلانے کو زر نہیں

دل تو کہے سُنے سے سمجھتا بھی ہے کوئی
جو کچھ کہو سو دیدۂ خانہ خراب کو

میں رہ گزر میں پڑا ہوں برنگ نقشِ قدم
تیں چھوڑا کس کے بھروسے یہ کارواں مجھکو

قطعہ

یارو کیوں بکتے ہو بے فائدہ [illegible] جاؤ
اتنی کہتے ہو مجھے اتنی اسے سمجھاؤ

وہ نہیں تو کہ تجھے غم ہو [illegible] ن کا
یا کوئی جیو نصیبوں بستی یا مر جاؤ

سنگ کو آب کریں پل میں ہماری باتیں
لیکن افسوس یہی ہے کہ کہاں سنتے ہو

قطعہ

میں کہا خلق تمہاری جو مکر کہتے ہیں
تم بھی کچھ اس کا کہیں ذکر و بیاں سنتے ہو

ہنس کے یوں کہنے لگا خیر اگر ہے یہ بات
ہووے گی ویسی ہی جیسی کہ وہاں سنتے ہو

راہ پینڈے سے اسے رکھتا ہوں اگر گھیر کبھو
ہنس کے کہتا ہے مجھے کام ہے اب پھیر کبھو

جیو میں چلیں تھیں جو کچھ سو تو گئیں یار کے ساتھ
سر پٹکنا ہی پڑا اب در و دیوار کے ساتھ

میں دیوانہ ہوں صدا کا مجھے مت قید کرو
جیو نکل جائے گا زنجیر کی جھنکار کے ساتھ

موقوفِ شغل گریہ مری چشم اگر کرے
اتنا رہے نہ آب کہ لب کوئی تر کرے

پہلے ہی سو جھتی تھی ہمیں اے شبِ فراق
یہ رات بے طرح ہے خدا ہی سحر کرے

تجھ سے لگی تھیں آنکھیں پھنسا مفت میں یہ دل
تقصیر تھی کسو کی گرفتار ہے کوئی

دہن کو تیرے پایا بات کہتے
ہماری جز رسی میں کیا سخن ہے

نہ لگا دل کو اس کی مژگاں سے
اپنے حق میں تو کانٹے مت بووے

اُٹھاوے ستم یا جفا کیا کرے
بچارا یہ دل ایک کیا کیا کرے

میں جاتا ہوں کعبے سے اب دیر کو ۔ بھلا یہ بھی دیکھوں خدا کیا کرے ہے

نہ مرنے دیتے ہم قائم کو لیکن ۔ خداوندی سے کچھ چارہ نہیں ہے

یارب کوئی اس چشم کا بیمار نہ ہووے ۔ دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہووے

یہ دل وہ جنس ہے کہ دیا گر کہیں اسے ۔ دھڑکا یہی رہا کہ نہ دے باز پس مجھے

مرا کوئی احوال کیا جانتا ہے ۔ جو گزرے ہے مجھ پر خدا جانتا ہے

بھٹکا پھروں ہوں یہاں میں اکیلا ہر ایک سمت

اے ہمرہان پیش قدم تم کدھر گئے

بھی تج چکا ہے جور فروشوں کے ہاتھ سے

دل دیکھنے کو لے کے ظالم مکر گئے

افغان و آہ کشتۂ بیداد کیا کرے ۔ جو قتل ہو چکا ہو سو فریاد کیا کرے

رباعی

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم ۔ بے قدر کریں ہم کو جو دے کر زر و سیم

مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجئے سجدہ ۔ محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

دانا

فضل علی دانا تخلص ۔ مردیست نوکر پیشہ ، وارستہ ، لطیفہ گو ، شاگرد میاں مضمون ۔ تلاش لفظ تازہ بسیاری کند ۔ اصل او از شاہ جہان آباد است

اتفاقاً در موسم ہولی تاریخ پانزدہم کہ مجلس (در) خانۂ فقیر مقرر است واقع شد ۔ میاں دانا نیز تشریف (آورد)[1] لیکن بہ لباس عجیبے ، یک (نیم) تنے سیاہ بہ بر کردہ کہ دامنش تا بزانو بود ۔ چون[2] رنگ ذات شریف و ریش از حد زیادہ

(۱) انجمن : داشت

(۲) میرحسن : رنگ شریفش سیاہ بود و ریشش نیز سیاہ ۔ مرزا محمد رفیع سودا کہ سابق مذکور شان گذشت نشستہ بود نظر بجز و دیدنش (گفتند) کہ یاراں ہولی کا ریچھ آیا ۔

ہر دو سیاہ بود، مرزا رفیع کہ سابق گذشت، بمجرد مشاہدہ کردن او گفت کہ "یار و ہولی کا ریچھ آیا"، کہ بزبان فارسی خرس ہولی می تواں گفت۔ چوں در ہندوستان رسم است کہ دراں روزہا[1] (اکثر) اراجیف و اطفال (ہنود) وغیرہم خرس و بوزنہ و اسپ و شتر (وغیرہ) برائے خوشی (و بازی) ہم دیگر می سازند۔ ایں لطیفہ بسیار بموقع افتاد بلکہ صورت گرفت۔

القصہ دانا عجب کسے است۔ گاہ گاہ بافقیر نیز ملاقات می کند۔ از وست:

بہر صورت خدا کو دیکھنا عنوان ہے میرا یہی توحید میں مصرع سر دیوان ہے میرا

دل میں ہر ایک کے سودا ہے خریداری کا یوسف مصر گر تو ہی ہے ارے یار عزیز

نہ چاٹے خون کو جس روز میرے اس کے فاقہ ہے۔

رگ گردن سے میری اس کے خنجر کو علاقہ ہے

انسان

اسد یار خاں انسان تخلص می کرد و شعر ریختہ نیز می گفت۔ در عصر محمد شاہ بادشاہ کہ اکنوں بہ فردوس آرام گاہ ملقب است، بہ امارت رسید۔ بسیار بحر و فرحاش می کرد۔

از اکبرآباد بود[2]۔ بہ[3] سبب ناسازی روزگار، کہ باکس نمی سازد و نخواہد ساخت، زود فوت شد۔ از وست:

نہ دیکھی ایک جھلک بھی آپ کے تن زیچ اندھوں میں

اگرچہ ہر بن مو سے بدن سارا شبکا ہے

---

(۱) پیرس : دراایام ہولی

(۲) پیرس : او باشندۂ اکبرآباد داشت

(۳) پیرس : دریں ایام از سبب ناسازی روزگار خانہ نشیں شدہ، فوت شد، رحمۃ اللہ (علیہ)

زمیں اور آسماں اور مہر و مہ سب تجھ میں ہیں انساں
نظر بھر دیکھ مشتِ خاک میں کیا کیا جمکا ہے

عارف

محمد عارف، عارف تخلص، متصل دہلی دروازہ می باشد، شاگرد میاں مضموں است۔ از بسکہ تلاش لفظ تازہ می کند۔ بعد از سالے و ماہے بیتے اندموزوں می نمود، شعرلو خالی از لطف نیست، بافقیر نیز آشنا است، از وست):

دختِ رز کو کہہ کر اس سے ملے ورنہ عارف اغیم کھا وے گا
ہزاروں معنی باریک آویں دل میں اے عارف
اگر زلفِ سیہ کا پیچ اس کے منہ پر کھل جاوے

ہدایت

میاں ہدایت اللہ ہدایت تخلص[1] ۔ از دہلی است۔ ریختہ را بطرز (نیکو) می گوید۔ از یاران (میاں) خواجہ میر صاحب است۔ اگرچہ او در بظاہر بعجز وانکسار پیش می آید اما کیست خامہ او (در عرصہ[2] سخن بال[3] بستہ راہ می رود۔ بندہ از وضع او بسیار محظوظم (حق سبحانہ تعالی سلامت دارد) از وست:

شہیدِ تیغ ابرو ہے اسیرِ دامِ گیسو ہے ہدایت بھی تو کوئی زور ہی شہد اشکستا ہے
یاد آتی ہی زلف کی ہے قہر پھر گئی جیو پہ سانپ کی سی لہر
تیری زلفوں کی کچھ چلی تھی بات روتے ہی گذری آہ ساری رات

---

(۱) پیرس : از باشندۂ شاہجہان آباد دہلی است۔

(۲) انجمن : در عرصۂ میدان سخن

(۳) پیرس : فعال بستہ

حیرت سے میں ہوں کہ ترے کر تئیں اے شب فراق
ظاہر میں دیکھتا ہوں کہ عالم ہے خواب کا

قطعہ بند

بھلا بتاؤ میری جان کچھ ہدایت نیں   تمھارے جور سے شکوہ کبھو کیا ہوگا
مگر یہی نہ کہ بے اختیار ہو کے کبھو   کچھ اور بس نہ چلا ہوگا، رو دیا ہوگا

تجھ بن اے خونخوار یہاں ہر دم دمِ شمشیر ہے
سانس جب پلٹے ہے گویا بازگشتی تیر ہے

بیدار (۱)

میاں محمد علی بیدار (۲) - جوانے است بسیار مرد آدمی و خوش خلق - از شاہجہان آباد (است) شعر ریختہ بسیار صاف و شستہ می گوید - صاحب دیوان است - از یاران مرزا مرتضیٰ قلی بیگ فراق تخلص، کہ بسیار شاعر مربوط فارسی اند، ہست - اکثر در صحبتہا با فقیر بگرمی پیش می آید - الحاصل مرد خوب رنگین مزاج است - خدا سلامت دارد -

بارہا یار سے چاہا کہ ہوں اغیار جدا
لیکن اُس گل سے نہ یکدم ہوئے وہ خار جدا

(۱) بیدار کا ترجمہ پیرس سے نقل کیا گیا ہے - اس نسخے میں بیدار کے چالیس شعر علاوہ ایک رباعی شامل ہیں جبکہ انجمن میں صرف ایک شعر ملتا ہے - بیدار کے ترجمے میں بھی تھوڑے اضافہ ہے - انجمن میں یہی ترجمہ ان الفاظ میں ہے :

"بیدار تخلص، جوانے است از یاران مرتضیٰ قلی بیگ فراق - مصرع ریختہ درست موزوں می کند، و مرزا مرتضیٰ قلی شاعر مربوط فارسی است - اکثر در صحبتہا با فقیر بگرمی پیش می آید - از بیدار است"

(۲) میر مہدی بیدار کا نام محمد علی بھی بتایا گیا ہے - دیکھیے عمدہ منتخبہ

تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار
گل جدا، سرو جدا، نرگس بیمار جدا

رات کو بزم میں سب رہے درخشاں تیرے
شمع گریاں ہے جدا، دیدۂ بیدار جدا

جس چشم کو نہ ہو تیرا دیدار دیکھنا
پھر اس کو کیا جہاں میں ہے اے یار دیکھنا

سرشک و داغ و غم و درد جاں ستاں دیکھا
تمہارے عشق میں کیا کیا نہ مہرباں دیکھا

نہ کوہکن نے وہ دیکھا کبھو نہ مجنوں نے
تمہارے عشق میں ہم نے جو اے میاں دیکھا

ہزاروں گرچہ ہیں بیمار تیری آنکھوں کے
پر اون میں کوئی بھلا مجھ سا ناتواں دیکھا

کل تیری یاد میں آنسو ہی نہ کچھ گلگوں تھا
پر مژہ پر مرے لخت جگر پر خوں تھا

پاس ناموس حیا تھا کہ نہ رو کے اے ابر
ورنہ آنکھوں میں ہمارے بھی بھرا جیحون تھا

رشک کھاتا ہے چمن دیکھ کے داماں میرا
کم نہیں ابر سے کچھ دیدۂ گریاں میرا

ایسے طالع مرے بیدار کہاں ہیں گے آج
اس شب تار میں آوے مہ تاباں میرا

مست ہم کو شراب میں رہنا
کچھ کبھو سیر آب میں رہنا

یاد میں اوس کی زلف کے اے دل
کب تئیں پیچ و تاب میں رہنا

جو وہ خورشید طلعت شام کو ہو بام پر ظاہر
نہ ہووے صبح محشر تک خجالت سے قمر ظاہر

چھوٹے اب اوس شعلہ خو کا مجھ سے کیونکر اختلاط
چھوڑ کب سکتا ہے آتش سے خجالت اختلاط

آتش حسرت پہ ہو جاتے ہیں لخت دل کباب
اس لب میگوں سے جب کرتا ہے ساغر اختلاط

روشن مثال شمع ہزاروں ہیں غم کے داغ
تربت پہ دل جلوں کی نہیں حاجت چراغ

خاک عاشق سے جو ہووے سے نثار دامن
اے مری جاں تو مت جھاڑ غبار دامن
رشک کھاتا ہے جسے دیکھ کے بستان ارم
اشک بیدار نے کی ایسی بہار دامن
تجھ بن ہے بے قرار دل اے ماہ کیا کروں
کٹتی نہیں ہے ہجر کی شب آہ کیا کروں
نہ دل نہ دلربا نہ مرے جی کتیں قرار
حیراں ہوں ایسے میں مرے اللہ کیا کروں

جلوہ گر شمع رخ یار کہاں ہے کہ نہیں
روشن اوس نور سے وہ کون مکاں ہے کہ نہیں
کیوں اٹھایا ہے صبا نے ترے کوچے میں غبار
کیا وہاں آج کوئی اشک فشاں ہے کہ نہیں
دل کو میں آج ناصحا اوس کو دیا جو ہو سو ہو
راہ میں عشق کے قدم اب تو رکھا جو ہو سو ہو
صفا[(۱)] الماس و گوہر سے فزوں ہی تیرے دنداں کو
کیا تجھ لب نے ہر رنگ خجالت لعل و مرجاں کو
دیکھ تجھ کاکل مشکیں کی ادائیں شانہ
ہاتھ اوٹھا کیوں نہ کرے تجکو دعائیں شانہ
اس کے بھر آئے ترے مرہم کاکل سے زخم
دونوں ہاتھوں ستی لیتا ہے بلائیں شانہ
چاہیے مجھ دل صد چاک کو لے جائے ہاں
گر بتاں واسطے زلفوں کے منگائیں شانہ
حسرت گیسوئے مشکیں میں مرے جو بیدار
استخواں اوس کے کا لازم ہے بنائیں شانہ
ترے کیا ہاتھ آیا اس ستم سے باغباں سچ کہہ
اوجاڑ کیوں چمن سے بلبلوں کا آشیانہ سچ کہہ
نہیں معلوم ہوتا مجکو اس دشنام دینے سے
مزا آتا ہے کیا تجھکو ارے شیریں زباں سچ کہہ

---

(۱) انجمن میں صرف یہی ایک شعر ہے، باقی اشعار نسخۂ پیرس سے نقل کئے گئے ہیں۔

گریباں چاک کر اور پاؤں ننگے ہو کے دیوانا
تو ایسے حال سے بے بس دار جاتا ہے کہاں سچ کہہ

عاشقوں میں جو کوئی کشتۂ کاکل ہووے — اوس کی تربت پہ سدا سبزۂ سنبل ہووے
جس دن تم آکے ہم سے ہم آغوش ہو گئے — شکوے جو دل میں تھے سو فراموش ہو گئے
سلام بھی ہے زمانے میں اور دعا بھی ہے — ہمارے یار نے قاصد سے کچھ کہا بھی ہے

زلف اوس رخ پہ صبا سے جو پریشاں ہو جائے
سحر و شام بہم دست و گریباں ہو جائے

زاہد اس راہ نہ آ مست ہے میخوار کئی — ابھی یہاں چھین لیے جبہ و دستار کئی
ناتواں مجھ سے بھلا کون ہے انصاف تو کر — چشم فتاں کے ترے گرچہ ہیں بیمار کئی
نشہ میں جی چاہتا ہے بوسہ بازی کیجیے — اتنی رخصت دیجیے بندہ نوازی کیجیے
چاہیے جو کچھ سو ہو پہلے ہی سجدے میں حضور — آپ کو گر کعبۂ دل کا نمازی کیجیے

رباعی

خورشید سپہر دین رسول الثقلین — ہیں اون کے علیؓ و فاطمہؓ نور دو عین
فانوس نبوت و ولایت کے بیچ — مانند دو شمع جلوہ گر ہیں حسنینؓ

سلام

میاں نجم الدین علی سلام تخلص۔ مولد او (از دار الخلافۃ) اکبرآباد است۔
خلف میاں شرف الدین علی خاں پیام کہ احوال او نگاشتہ شد۔ چوں یار باش و مخاطب
صحیح جمعیت (و) جمعیت[1] (و) لیاقت (و شخصیت (و) آدمیت
(و) حرمت (و) عظمت ہمہ دارد، فقیر را با او از تہ دل اخلاص است۔ چنانچہ اکثر

(۱) شمد شاد و پیرس : جمیت

اوقات اتفاق باہم فکر شعر کردن و گپ زدن و مزاح[1] نمودن می افتد۔ جوانے خوبیست، خدا زندہ دارد۔ از وست:

حدیثِ زلف چشمِ یار سے پوچھ ۔۔۔ درازی رات کی بیمار سے پوچھ

بے تاب ہو! قسم ہے تمھیں میرے صبر کی ۔۔۔ مسلخ میں بعد ذبح تحمل نہ کیجیو

بہار

لالہ ٹیک چند بہار تخلص ۔ مرد (سے) مستعد یست ۔ از یاران سراج الدین علی خاں (صاحب است) صاحبِ[2] تصانیف بسیار، دماغ تفصیل ندارم۔ برہمن رنگیں ۔ بہار سخن از لفظ لفظش ہزار[3] ہزار رنگ معنی گل می کند۔ با فقیر ہم آشنا است۔ (خدا ہدایتش کند و اسلام نصیب ..[4])

وہی ایک ریسماں ہے جس کو ہم تم تار کہتے ہیں
کہیں تسبیح کا رشتہ کہیں زنار کہتے ہیں

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ظاہر
سلیمانی کے خط کو دیکھ کیوں زنار کہتے ہیں

(اپنا[5] مردم کشی کا زور بیماروں نے کب پایا
غلط کرتے ہیں ان آنکھوں کو جو بیمار کہتے ہیں)

---

(۱) پیرس : اختلاط نمودن

(۲) پیرس : تصانیف بسیار دارد

(۳) پیرس : ہزاراں ہزار

(۴) نسخے میں الفاظ واضح نہیں ہیں۔

(۵) یہ شعر پیرس کے حاشیے پر ہے۔

تھی زلیخا مبتلا یوسف کی اور لیلےٰ کا قیس　　یہ عجب منظر ہے جس کے مبتلا ہیں مرد و زن

باعتقاد بندہ. بجائے اشارت قرینہ و کلمۂ استعجاب کہ اول مصرع دوئم بکار برده است اگر "حسن کیا" می گفت، ایں شعر واضح تر می شد، فافہم ۔

سحر یا معجزہ ہے یہ سچ کیوں نہیں کہتا ہے کہ　　دم ترا جذب اسم سے زور کرتا ہے کرے

ہمیں واعظ ڈراتا کیوں ہے دوزخ کے عذابوں سے
معاصی گو ہمارے بیش ہوں کیا مغفرت کم ہے

سبھی کرتے ہیں دعوے خون کا قسمت ہے تو دیکھیں گے
صفِ محشر میں ہوگا کس کے دامن ہاتھ قاتل کا

ناز و استغنا، عتاب، اعراض سب جاں کاہ ہیں
قرب میں خوباں کے کیا معنی کہ دل کو ہو نشاط

نہیں معلوم کیا حکمت ہے شیخ اس آفرینش میں
ہمیں ایسا خرابی کیا تجھ کو بنا جاتی

محبت کی قلمرو میں جو جاوے گا تو دیکھے گا　　کوئی آرے تلے چیرا کسی کو کوہ پر پٹکا

نثار

میر عبدالرسول نثار - از یاران فقیر مؤلف است - چنانچہ (شعر)[1] بشورت من می گوید - سید نجیب، جوان سعادت مند، اصلش (از) اکبر آباد[2] است - در عصر (پادشاہت) فرخ سیر بادشاہ کہ ہنگامہ (با) نیکو سیر در اکبر آباد گرم شدہ بود، بزرگان ایں باقتدار بسر می بردند - (مرد) بسیار آراستہ پیراستہ، سنجیدہ فہمیدہ (است) فقیر از وضع او بسیار محظوظ[3] است - از وست :

---

(۱) شروانی میں یہ لفظ موجود ہے

(۲) پیرس : فقیر

(۳) پیرس : خوش

جو ہے یعقوب یوسف دیکھنا منظور آنکھوں سے
تو اتنا پھوٹ کر مت رو کہ جاوے نور آنکھوں سے

ٹک دیکھ تو چمن کا کیسا ہے ڈھنگ تجھ بن
منہ سے اُڑا ہے گُل کے گلشن میں رنگ تجھ بن

ہر سمت صد تمنا تڑپھیں ہیں خاک و خوں میں
ہے صحن خانہ میرا میدان جنگ تجھ بن

یہاں گُل رکھے پھرے ہے دستار پر تو اپنی
وہاں عاشقوں کے سر پہ پڑتے ہیں سنگ تجھ بن

اکثر ہیں دلفگار ولیکن نہ اس قدر ... کتنے ہیں بے قرار ولیکن نہ اس قدر

میں وہ ہوں جس کے اشک سے گُل نیں کیا سحر
ٹکڑے جگر ہزار ولیکن نہ اس قدر

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاویں گے ہم
یہ گریباں دامن صحرا کو دکھلاویں گے ہم

یہ عزم کس مریض پہ یہ خشم کس پہ شوخ ... اک میں ہوں مضطرب سو تو نبض طپیدہ ہوں

قاصد یہ مقتضا نہیں غیرت کا خط لئے ... مشتاق پر فشانی رنگ پریدہ ہوں

طوفان خلق ہو وے گا اشک ستم زدہ ... ایسا نہ ہو وے یار کہ میں آب دیدہ ہوں

میر حسن

میر حسن متخلص بہ حسن ۔ جوان اہلبیت ۔ نوکر پیشہ ، اکثر در بندہ خانہ بتقریب مجلس تشریف می آرد ، وضع مرد آدمیانہ دارد ۔ مشق شعر از مرزا رفیع (سودا) می کند ۔ از وست :

لگتا ہے آج مجکو یہ سارا جہاں خراب | شاید کہ رہ گیا ہے کوئی خانماں خراب
قاتل اگر کہے کہ سسکتا ہے چھوڑ یو | خنجر تو ایک دم کے لئے منہ نہ موڑ یو

زکی

جعفر علی خاں زکی۔ مرد عمدۂ روزگار یست۔ متوطن (شاہ جہان آباد) دہلی (است)

بادشاہ محمد شاہ بر او فرمائش مثنوی حقہ کردہ بود۔ دو سہ[1] شعر موزوں کرد،[2] دیگر سر انجام ازو نیافت۔ اکنوں شیخ محمد حاتم کہ نوشتہ آمد،[3] باتمام رسانید و آں مثنوی خالی از مزہ نیست۔

پنج چار سال پیش ازیں، خانۂ جعفر علی خاں مجمع یاران ریختہ مقرر بود۔ خدا داند چہ واقع شد کہ برہم خورد۔

(و جعفر علی خاں) شعر ریختہ را جستہ جستہ (بسیار رنگین و مربوط) می گوید۔

آنچہ از و اشعار شنیدہ شدہ، نوشتہ شدہ۔ از وست[4]

چمکتے دانت دیکھے یار کے رنگیں جانے میں
جڑی ہیں گیتیاں الماس کی نیلم کے خانے میں

از مثنوی اوست در منقبت گفتہ

(مداح)

قضا کے راج کی صنعت گری دیکھ | نبی کے آل کی بارہ دری دیکھ
نبی کے آل پر مجھ وار جانا | اسی بارہ پلے سے پار جانا

(۱) پیرس : چند
(۲) پیرس و شورش : کردہ بود۔
(۳) پیرس : مذکور او گذشت
(۴) پیرس : چندے ازو نوشتہ می آید:

درتعریف عشق و آبلہ می گوید :

برہ کی راہ کے گوہر پھپھولے کہ کانٹے باٹ میں جاتے ہیں تولے

تمکین

میاں صلاح الدین تمکین تخلص[۱] - جوان رنگیں مزاج، شوخ طبع باتمکین است۔ درویش وضع، بکسے کار ندارد - بہر طور کہ می گذرد، بسر می برد۔ از وست :

(تمکین)

حسن اور عشق کو جس روز کہ ایجاد کیا مجھکو دیوانہ کیا، تجھکو پری زاد کیا

([۲]جو اب نہ مریئے تو پھر انتظار میں مریئے خدا خزاں نہ دکھاوے بہار میں مریئے)

(تمام عمر شراب میں پیا کئے ساقی ہزار حیف کہ آخر خمار میں مریئے)

جگّن

میاں جگّن خالہ زادۂ شیر افگن خاں حال است۔ دعوی شاگردی فقیر می کند۔ بارے سر بہ سخن دارد، خداش زندہ دارد :

اس دل مریض عشق کو آزار ہی بھلا چنگا ہو تو ستم ہے یہ بیمار ہی بھلا

غریب

محمد امان اللہ[۳] غریب تخلص کہ یادش بخیر (باد) یک[۴] آشنائے بامزہ داشتم بسیار خوش ظاہر بود۔

---

(۱) تمکین کا ترجمہ پیرس سے نقل کیا گیا ہے۔ انجمن میں ترجمہ اس طرح ہے :- جوانے بے تکینے : تمکن باصطلاح یاراں شوخ طبع مردیست۔ درویش وضع بکسے کار ندارد۔ بہر طور یکہ باشد بسر می برد۔

(۲) آخری دو شعر پیرس کے حاشیے پر ہیں۔

(۳) پیرس : محمد زماں

(۴) پیرس : آشنائے بامزہ بود

زبانش لکنت داشت۔ ازیں سبب گاہے الکن ہم تخلص می آورد[1]۔ چوں اکثر (بے) درباغات مغل پورہ می رفت، بندہ اورا (رند باغاتی)[2] می گفتم۔
بسبب پریشانی روزگار قریب دو (سہ) سال است کہ بہ سمت بنگالہ رفت[3]۔

تیری بغل ہی میں دل پر داغ ہے غریب   حسرت چمن کی کاہے کو یہ باغ ہے غریب

محسن

محمد محسن، سلمہ اللہ[4]، محسن تخلص می کند۔ برادر زادۂ فقیر مؤلف است۔ ذہنش بسیار مناسب و سلیقہ اش خیلے[5] درست معلوم می شود۔ مصرع ریختہ بہ مشورت من[6] موزوں می کند۔ سنش[7] نام خدا تا بہ بست سالگی رسیدہ باشد۔ خوب[8] خواہد گفت، ان شاء اللہ۔ از وست:۔

یوسف مصر پہنچتا ہے کوئی   تجھ سے دلبر عزیز دلہا کر
حرف تیرے عقیق لب کا شوخ   زندہ کرتا ہے نام عیسیٰ کا
دور[9] سے گئے وہ کوہکن و قیس کے جو تھے   میرے جنوں کا اب تو زمانہ میں شور ہے
محسن تمام عمر مجھے روتے ہی کٹی   اس غم کدے میں آہ کہیں بھی سرور ہے
مار رنگ رو اس قدر زرد ہے   کہ یہاں زعفران زار بھی گرد ہے

---

(۱) پیرس : می کرد
(۲) انجمن : ارند باغاتی
(۳) پیرس : رفتہ است
(۴) پیرس : حفظ اللہ من آفات
(۵) پیرس : بسیار درست است
(۶) پیرس : فقیر
(۷) پیرس : سنش بیست سال داشتہ باشد
(۸) پیرس : ان شاء اللہ آئندہ خوب خواہد شد۔
(۹) نسخۂ پیرس میں "دورے" کا مفہوم "زمانہ" درج کیا گیا ہے۔

طپش تشنہ لب تڑپے سے ہے غالب
دھڑاکے کا دل میں مرے درد ہے

اگر شیخ دوزخ میں گرمی سے ہے زور
مرے پاس بھی اک دم سرد ہے

بہتوں کا عاشقی میں یہاں کال ہوگیا ہے
اے دل ابھی سے تیرا یہ حال ہوگیا ہے

ٹک راہ پر تو آؤ اب سیر کو کہ محسن
مانند نقش پا کے پامال ہوگیا ہے

تعزیت دار حسرت دل ہے
یہ جو گریہ کا جامہ آبی ہے

دل پر آبلہ مرا محسن
رشک آئینۂ حبابی ہے

اس کے کوچہ میں ہے کچھ نالۂ شب کا چرچا
دیکھیو کوئی یہاں میرا تو مذکور نہیں

طبع نازک کو مرے ہاتھ میں رکھیو کہ میں
قیس و فرہاد سا دہقانی و مزدور نہیں

تنک ابرو ملی عاشق اُلٹ گئے
تجھے تلوار سے اے شوخ جس سے ہے

کیا جانیے وہ شوخ کدھر ہے کدھر نہیں
ہم کو تو تن بدن کی بھی اپنے خبر نہیں

اس دشت پر خطر کا میں باشندہ ہوں جہاں
آدم کا ذکر کیا ہے ملک کا گزر نہیں

دل دینے پر ہو جیو تو کرو خانماں خراب
یہ عاشقی ہے شیخ جیو، خالا کا گھر نہیں

مر گیا پوچھی نہ پر تم نے مری زحمت دل
جیو کی جیو ہی میں رہی ہائے مری حسرت دل

مجھ تہیدست نے کیا تھا کوئی دن آگے
داغ سینے سے جو ہاتھوں پہ لیا بیعت دل

کیا حساب اتنی جفاؤں کا جو میں کھینچوں ہوں
میں گرفتار بلا میں جو ہوا باعث دل

(قطعہ)

اے دیدۂ خاندان تو اپنا ڈبو چکا
اب روتا تو ہے کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا

محسن نہ روؤں میں تو بھلا کہہ کے کیا کروں
اک دل بساط میں تھا میں اس کو بھی کھو چکا

دل مرا وابستۂ زنجیر زلف یار ہے
ہے تو دیوانہ پر اپنے کام میں ہشیار ہے

اور یہ عاجز تمہارا کچھ نہیں رکھتا گر
جاں برلب آمدہ حاضر ہے گر درکار ہے

تک آکے دیکھ نہیں پکھ بھی حال آنکھوں میں　　پھرے ہے اس پہ بھی تیرا خیال آنکھوں میں
نہ پوچھ دختر زر کی تو مجھ سے کیفیت　　لئے ہی جاتی ہے دل یہ چھنال آنکھوں میں

جاں بلب ہوں میں نکل جائے نہ یہ جان کہیں
دل میں حسرت ہی رہی جاتی ہے آ، ماں کہیں

کب تلک نزع کی حالت میں رہوں میں تجھ بن
ہو بھی اے مردنِ دشوار اب آسان کہیں

جس دن تری گلی سے میں عزم سفر کیا　　ہر ایک قدم پہ راہ میں پتھر جگر کیا
بت خانے کی شکست و درستی کعبہ ہائے　　یہ سب کیا پہ شیخ نیں دل میں نہ گھر کیا

رباعی

جب تخم محبت ہم نے دل میں بویا　　دین و دنیا سے ہاتھ اپنا دھویا
اس عشق میں ہوئے خانہ ویراں یارب　　دونوں عالم سے ان نے ہم کو کھویا

ضیا

میاں ضیاءالدین ضیا تخلص، متوطن دہلی (است) جوانے است، مؤدب و مہذب، متواضع بافقیر ربطے بسیار دارد۔ (خدا ایش نگاہ دارد)

از وست :۔

جنت کا مت دو مژدہ مجھ خاک میں رلے کو
آرام وہاں بھی معلوم ایسے جلے بلے کو

گریاں و خاک اڑاتا جوں ابر، جوں بگولا
صحرا میں تو نے مجنوں وحشی ضیا بھی دیکھا

راقم

بندرابن، راقم تخلص۔ از شاہ جہان آباد است۔ مشق شعر از مرزا رفیع می کند۔ قبل ازیں بافقیر نیز مشورت شعر می کرد۔ باینده بسبب میاں ابراہیم کہ جوانے است مربوط و مضبوط، آشنا شده بود۔ و میاں ابراہیم ازبسکہ باما شاعراں آشنا است گوئی[1] کہ ہم سلیقہ ہست۔ راقم مرقوم و محمد قائم کہ احوالش[2] گذشت، ہر دو ہم طرح (اند) از راقم[3] است:۔

(راقم)

یہاں تک قبول خاطر کیجئے تری جفا کو
تا سب کہیں کہ راقم رحمت تری وفا کو

این معنی[4] را در دیوان میر عبدالحی تاباں مرحوم، بہ تغییر ردیف بہ ہمیں الفاظ مطالعہ کرده ام۔ ظن غالب آنست کہ ایں شعر از تاباں مذکور است، چرا کہ او از مدت مشق سخن می کرد وایں نو مشق است، اللہ اعلم۔

دل کنج قفس میں کر فریاد بہت رویا — ہنسنے کے تئیں گل کے کر یاد بہت رویا
میرے اعضا میں تجھ کرسے میاں — فرق ہرگز نہیں سر سو کا
ابر تر سے چشم گریاں کم نہیں — موج دریا ہے شکنج آستیں

قطعہ

مژگاں سے دل بچے تو نگہ سے کہے ہے ابرو — یہ کہہ کے میں نہیں اس سے جب دل کی داد چاہی
کہنے لگا کہ ترکش جس وقت ہو حسنہ نالی — تلوار پھر نہ کھینچے تو کیا کرے سپاہی

---

(۱) پیرس: گویا کہ او عاقون ماست۔

(۲) پیرس: احوال او

(۳) پیرس: ما زدست۔

(۴) یہ عبارت پیرس میں نہیں ہے۔

قطعہ

اے باغباں نہیں ترے گلشن سے کچھ غرض
مجھکو قسم ہے چھیڑوں اگر برگ و بر کہیں
اتنا ہی چاہتا ہوں کہ میں اور عندلیب
آپس میں درد دل کہیں ٹک بیٹھ کر کہیں

کس کے گلے کے قطرۂ خوں ہیں تہہ زمیں
جوں تکمہ اُگتے ہیں گل اور رنگ اب تلک

پہنچا نہ آہ درد کو میرے کوئی طبیب
یارب عجب طرح کا کچھ آزار ہے مجھے

دکھلا نہ ہو جسے میں کوئی سر زمیں نہیں
پر تخم دل ہو سبز جہاں سو کہیں نہیں

سنتے تھے ہم جہاں میں اہلِ کرم کا ہاتھ
آیا جو ورد میں تو کم از آستیں نہیں

مری بد شرابیوں سے کریں توبہ مے گساراں
نہ ہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاراں

سنا کن نے حال میرا کہ جوابر وہ نہ رویا
رکھے ہے گریہ قصہ اثر دعائے باراں

بیچوں ہوں میں اس پاس یہ دل نیم نگہ کو
اس پر بھی ستم ہے جو خریدار نہ ہووے

اے عشق نہ مجھے کوئی طرح مار
تا یار کہے کہ ہائے عاشق

کام عاشقوں کا کچھ تجھے منظور ہی نہیں
کہنے کو ہے یہ بات کہ مقدور ہی نہیں

کہتا تھا کوں یہ کہ خوشی ہے جہاں کے بیچ
اس بات کا تو یہاں کہیں مذکور ہی نہیں

سُنتے ہیں ہم کہ ہوتی ہے جگ میں دوام صُبح
ہو گی کبھی اے چرخ ہماری بھی شام صبح

معصیت میری بہت ہے کہ تیری بخشش بیش
اپنی رحمت پہ نظر کر مرے عصیاں کو نہ دیکھ

صیاد کب تو چھوڑے گا مجکو قفس سے آہ
کھٹکے ہے میرے دل میں بہت بہت خار باغ

روسنے میں اس قدر تو جگر اے جگر نہ کر
دیکھا نہ تو نے پھر کر دل دو دیدہ کیا ہوئے

نامہ کا میرے اس سے لے کر جواب پھرنا
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھرنا

ایک وے بھی دن تھے یارب جو تھا ہمیں میسر
گلشن میں ساتھ اس کے پیتے شراب پھرنا

کے کیا درد دل بلبل گلوں سے اڑا دیتے ہیں اس کی بات ہنس کر
جو چاہے گوہر مقصود اے دل صدف کی طرح تو پاس نفس کر

کمترین

میاں کمترین (سلمہٗ) مردیست وارستہ۔ مزاجش[(۱)] میلان ہزل بسیار دارد۔ موافق استعداد خود (سخن) می گوید۔ بندہ شعر معقول او نہ شنیدہ ام (مرد خوب است)
گاہ گاہ در مجلس مرافتہ کہ ایں لفظ بوزن مشاعرہ تراشیدہ اند، ملاقات می شود،

از شہر آشوب اوست:۔

نو خصم گن کر مشلمین نیں کیے تو بھی نہیں رہتی دو شاخہ بن ڈیے
بلا اس ست نغرانی کو تاڑی اگاڑی اصطبل کے جا پچھاڑی

(ایہام)

یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈوں سے ذاتوں میں
تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں

(ایہام)

دیکھو پکوان والی کی مزاخیں
خصم کے روبرو دیتی ہے شاخیں

---

(۱) [illegible] بسیار دارد

(ایہام)

تم (پادشہ)[1] پسند ہو ہم کمترین تمھارے
کے بیر ہم کو دو گے نازک بدن پیارے

(کمارن ایک گھڑی بھر چاہیں جو اس طرف آوے[2]
میرا دل اوس کا چاک ہو جاوے)

قدر

قدر تخلص، شخصے است وارستہ از قید مذہب و ملت برجستہ۔ اوباش وضع، زبان او[3] بزبان لوطیاں می ماند۔ گاہے در کوچۂ و بازار شہر بنظر می آید۔ احوالِ او[4] کماحقہ معلوم فقیر نیست۔ از وست:

آئے ہو آج تو رہ جاؤ سجن رات کی رات
لیلۃ القدر سے بہتر ہے ملاقات کی رات

کافر

میر[5] علی نقی، مرد سید یست۔ سپاہی پیشہ، کافر تخلص می کند۔ در شعرے کہ تخلص می آرد۔ کافر تکیہ می نامد۔ چنانچہ اکثر در مجلس گفتہ می خوانند کہ صاحب دریں ایام

---

(۱) انجمن : بادشاہ

(۲) یہ شعر پیرس کے حاشیے پر ہے۔

(۳) پیرس : زبان گویائی دارد

(۴) پیرس : احوالش

(۵) پیرس میں کافر کا ترجمہ صرف ان الفاظ میں ہے : میر علی نقی، کافر تخلص، مرد سید است، سپاہی پیشہ، شعر او اشارہ دارد۔

یک کافر بچہ، موزوں شدہ است۔

در ایام گذشتہ دو سہ ماہ خانۂ خود مجلس ریختہ مقرر کردہ بود، آخر از وضع اوباشانہ او برہم خورد۔

در بزرگ زادگی او شبہ نیست، با فقیر ربطے ولی دارد۔ از وست:

کس کس طرح بتوں کی صورت نیں رنگ پکڑے
کافران انگھڑیوں میں دیکھے ہیں جھگڑے
(مسّی[1] لگاکر لال کیا موںھ کو کوسیں
ظالم نے قتل عام کیا کافراں سیں[2]

عاجز

عاجز تخلص۔ شخصے لوطی است۔ پسر پوپے چندے یافتہ، نظر کردۂ میاں کمترین۔ اکثر در مشاعرۂ حافظ حلیم کہ مردیست بسیار گرم جوش و چسپاں اختلاط۔ حافظ اکثر شعر ہائے خوب استاداں دیدہ و شنیدہ است۔ و حافظ حلیم شعر بطور بو اسحق اطعمہ می گوید گاہے مصرعے خوب ہم از و سر می زند۔ چنانچہ مصرع حضرت حافظ قدس سرہ العزیز، را تضمین کردہ است بطرزیکہ خود می گوید۔

صبا بلطف بگو آں بخیل بابا را
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

---

(۱) یہ شعر پیرس کے حاشیے پر ہے۔

(۲) اس شعر کے بعد پیرس میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:۔

فرد فارسی از کافر موزوم است
چرا بہ آتش سوزاں نہ سوختند مرا
بدست ہیچو تو کافر فروختند مرا

وباعاجز ایں عاجز ترین خلائق چنداں ربطے نہ دارد ۔ ازوست :

دل بغل مارے لئے جاتے ہیں یہ سب مکتب کے طفل
شیخ سعدی تم بھی اب لے کر گلستاں دوڑیو[1]

میر گھاسی

میر گھاسی[2] جوانے است فہمیدہ ، در بغل پورہ می باشد۔ تخلص ازراہ اظہار قصور فہم در غزل نمی آرد ، بامن ہم آشنا است ، ازوست :

تو ہوا اور باغ ہو اور زمزمہ کرنا بلبل
تیری آواز سے جیتا ہوں نہ مرنا بلبل

عُشّاق

عشاق شخصے است کھتری ، شعر ریختہ را بسیار نام بوط می گوید سلیقہ اش از تخلص پیدا است ۔ اکنوں در مجمع یاراں ہم نمی آید کہ مردہ است ایامے کہ خانہ میاں صاحب خواجہ میر مجلس ریختہ می شد ، بنظر می آمد و رتبہ وارے ایں شعر کہ نوشتہ می شود از فیض سخن است ۔ ازوست[3] :

خط سے زیادہ اور ہوا حُسنِ یار کا
آخر خزاں میں کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

---

(۱) نسخۂ پیرس میں عاجز کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے :

"عاجز تخلص شخصیت از قوم کھتری ، طبع موزونے دارد ازوست : عاجز

خط سے زیادہ اور ہوا حُسن یار کا
آخر خزاں نے کچھ نہ اوٹ بہار کا

یہی شعر نسخۂ انجمن میں عشاق کے ترجمے میں نقل ہوا ہے ۔

(۲) میر گھاسی کا ذکر نسخۂ پیرس میں نہیں ہے ۔

میر (سوز)[1]

محمد میر، میر تخلص، جوانے است بسیار اہل[2] (و) خوش طبع، ہر چند طرز علیحدہ دارد لیکن[3] از خوش کردن تخلص من[4] نصفت ولم از و خوش است - از وست :

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محبوب[5] ہوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

بسمل

بسمل[6] تخلص - پیش از نوشتن ایں مزخرفات آوازۂ او شنیدہ بودم، باز معلوم نہ شد کہ کجائے بود و کجا رفت - از وست[7] :

لہو پی کے رہ گیا بسمل وگرنہ ملاتا اپنے تئیں وہ خاک و خوں میں
عشق نے خانۂ ویران دل آباد کیا غم نے اس خاطر محزون کو مرے شاد کیا
کوئی گھر زخم کا خالی نہ رہا پیکاں سے ملک دل خوب ترے ظلم نے آباد کیا
ہائے اس دیوانۂ دل نے کام کیا بیجا کیا آپ تو بدنام تھا ہی مجھ کو بھی رسوا کیا
گر یہی ہے دلبری تو خیر مرنا دور نہیں دل کہاں تم کو دیا دشمن گویا پیدا کیا
جن ترے لب کو لعل خام کیا مے کو بر جا ہے گر حرام کیا

---

(۱) اضافۂ مرتب
(۲) پیرس : خوب
(۳) پیرس : [؟]
(۴) پیرس : فقیر مؤلف
(۵) پیرس : محجوب
(۶) پیرس میں بسمل کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:
"میاں بسمل، شاعر ریختہ بنا ری است کہ از بست و بود او کما حقہ واقف نیستم"
(۷) انجمن میں بسمل کا صرف ایک شعر تھا ہے جب کہ پیرس میں [؟] کے اشعار کی تعداد ۲۱ ہے -

بندہ دل کا ہوں اپنے نام خدا — سنگ دل بت کو خوب رام کیا
اپنے بخت جگر کو بسمل نے — سجدۂ اشک کا امام کیا
کیا ہے عرس شاید مر گیا ہے کوئی دیوانا — کہ ہے چشم غزالاں سے چراغاں آج ویرانا
محبت میں نہ اتنا چاہیئے کم ظرف ہو کوئی — ذرا سی گرم روئی دیکھ جل جانا ہے پروانا
دل مجروح ہے ازبسکہ زخمی لذت غم کا — لہو اترا ہے چشم داغ میں سن نام مرہم کا

کشاکش زلف کی یہ کچھ ہے اور خط کا غبار ایسا
نہ ہو یارب کسو کا دل پریشاں روزگار ایسا

شکوۂ عشق اور شانِ جنوں کا رعب ہے بسمل
وگرنہ پاؤں پر رکھتا تھا کس کے سر کو خار ایسا

میں جنوں کا نہ اگر سلسلۂ جنباں ہوتا — شک نہیں خانۂ زنجیر تو ویراں ہوتا
تب بجا ہوتا ملامت مجھے کرنا ناصح — ہاتھ میرے میں اگر تیرا گریباں ہوتا
اے شوخ جس خدا نے تجھے خوب رو کیا — کچھ مصلحت تو ہوئے گی جو زشت خو کیا

جو نہ دی اے اشک تے آج اس دل پر خوں کی داد
پھر ملے گی حشر کو کیا خاطر محزوں کی داد

تضمین یقین

حال سے بسمل کے غافل ہے جو کہتا ہے یقیں
پھر کسو نے بعد مجنوں کے نہ دی ہاموں کی داد

لگتا نہیں نہ دشت نہ گلشن میں ان دنوں — لے جاوے ایسے دل کو کوئی اے خدا کدھر
بسمل جنوں میں آج ترے سر پہ کوئی نہیں — وہ عقل و ہوش تھے جو بڑے آشنا کدھر
زلف تیرے کے نہ تھی جو کبھی خو وار ہنوز — تب سے ہوں دام محبت میں گرفتار ہنوز
کر چکا مجکو تو بسمار نہ خدا جانے کہو (۱) — بہ ستم ہاتھ اپنا [illegible] (۱)

شاغل

شاغل تخلص، جوانے بود (گاہ)[1] گاہے مصرعے موزوں می کرد۔ شاگرد بسمل سلمہ (بودہ است)[2] پیش بندہ ہم دو سہ مرتبہ آمدہ، اکنوں بنظر نمی آید۔ از وست:

جاتی نہیں ہے اس سے تری فکر زلف و رخ
شاغل کو روز و شب ہے ترا ذکر زلف و رخ

بیرنگ

دلاور خاں۔ پیش ازیں ہمرنگ تخلص می کرد۔ حالا بیرنگ۔ (د بیرنگ) خوش کردہ میاں یکرنگ است۔ مصرعے[3] درست موزوں می کند۔ از وست:

یار کا جب خیال آتا ہے ہوش میرا تمام جاتا ہے
دل کوں تجھ عشق سے قرار نہیں اب تلک تجکو اعتبار نہیں
نہیں مطلب مجھے کچھ باغباں اور دیوانہ ہوں میں گل کے رنگ و بو کا
سدا بیدار رہ غفلت سے ہو ترش مثل مشہور ہے سویا سو چوکا
ہے ہاتھ ترا خون سے عاشق کے گر آلودہ مہندی سے سجن مت کر بارو گر آلودہ
مفلس کی خبر کب ہے اے سیم بدن تجکو افشاں سے ترا ماتھا رہتا ہے زر آلودہ
فرہاد کو محنت کی تلخی نہ کبھی ہوتی شیریں کا جو ایک بوسہ ملتا شکر آلودہ
خط میرا اوس نگار نے نہ پڑھا کیا لکھا تھا کہ یار نے نہ پڑھا
میں تو لکھتا تھا اس کو خط بیرنگ اس تغافل شعار نے نہ پڑھا

---

(۱) انجمن : بلکہ
(۲) انجمن : می گفت
(۳) ۔۔۔ گ

قدرت

قدرت اللہ، قدرت تخلص ۔ اگرچہ عاجز سخن است لیکن برائے خاطر میر (محمد) عارف کہ از یاران درست فقیر است، نوشتہ شد ۔ (از قدرت است):[1]

قاصد شتاب جا کے خبر لا تو یار کی
حالت بنٹھ بری ہے دل بے قرار کی

یکدل

میر عزت اللہ یکدل ۔ مرد نے سیدھے بود، عاشق سخن ۔ اکثر (مدح و) منقبت می گفت ۔ در زمان محمد شاہ بادشاہ بنظر می آمد (وحالا معلوم نیست کہ کجا رفتہ) ایں ہم از زبان میر عارف بہ تحقیق رسیدہ (کہ) از وست :

(مخمس مدح)

نو گل باغ اِنَّمَا کی قسم   سرو گلزار ھَلْ اَتیٰ کی قسم
میر میدان لَافَتیٰ کی قسم   میں تو عاشق ہوں مرتضیٰ کی قسم
دل فدا ہے مجھے خدا کی قسم[2]
شاعروں میں نہ میں خیالی ہوں   والہ و مست ہوں ولا کی قسم

میر

فقیر حقیر میر محمد تقی میر مؤلف ایں نسخہ ۔ متوطن اکبرآباد است ۔ بہ سبب گردش لیل و نہار از چندے در شاہجہان آباد است (چندے از خود نوشتہ می آید)

---

(۱) پیرس میں عبارت اس طرح ہے :
کہ از یاران یکرنگ فقیر است و باعث شدہ نوشتہ شدہ رسانیدہ است ۔

(۲) پیرس میں اس مصرع کے بعد "الا (الیٰ) آخرہ" بھی ہے ۔

(میر مؤلف)

میر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا
جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوستہ پیکاں تیر کا

جو ترے کوچہ میں آیا پھر نہیں کاڑھا اُسے
تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامن گیر کا

کس طرح سے مانیے یاراں کہ یہ عاشق نہیں
رنگ اُڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میر کا

شب دردوغم سے عرصہ میرے جیو پہ تنگ تھا
آیا شبِ فراق تھی یا روز جنگ تھا

مت کر عجب جو میر ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

دیوں گالیاں غیر کو شوق سے دے
ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا

عید آئندہ تک رہے گا گلا
ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

آنکھوں میں جیو میرا ہے ادھر یار دیکھنا
عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا

ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے
ہوشیار، زینہار، خبردار دیکھنا

تجھ سے ہر آن میرے پاس کا آنا ہی گیا
کیا گلا کیجے غرض اب وہ زمانہ ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم
عمر گذری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میر کا اس لیت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بہانا ہی گیا

بھری تھی آگ تیرے دردِ دل میں میر ایسی تو
کہ کہتے ہی سخن کے روبرو قاصد کا مُنہ آیا

کفِ جاناں سے ممکن نہیں، رہائی میر کوئی ہووے
اچنبھا ہے جو اس کے ہاتھ سے رنگِ حنا چھوٹا

اب وہ جگر طپش سے تڑپھتا ہے تشنہ لب — مدت تلک جو میر کا لوہو پیا گیا

دل میں بھر از بسکہ خیال شراب تھا — مانند آئینہ کے مرے گھر میں آب تھا

ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اس دم کی حسرتیں
جس دم یہ سوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
تو کہیو جب چلا ہوں میں تب اس کا جیو نکلتا تھا

نہ گئی تسبیح اس کی نزع میں بھی میر کے ہرگز
اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا

مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا
مئے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے روے گا

اب تو جاتا ہی ہے کعبہ کو بُت خانے سے — جلد پھر یو تجھے اے میر خدا کو سونپا

ترے عشق سے آگے سو وا ہوا تھا — پر اتنا میں ظالم نہ رسوا ہوا تھا

خزاں الغت اس پہ نہ کرنی بجا تھی — یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا

کہاں آتے میسر مجکو تجھ سے خودنما اتنے — بحسن اتفاق آئینہ ترے روبرو ٹوٹا

طراوت تھی چمن میں سرو کو یہ اشکِ قمری سے — ادھر آنکھیں مندی اسکی کہ اودھر آب جو ٹوٹا

شب زخم سینہ اوپر چھڑکا تھا میں نمک کر — ناسور تو کہاں تھا، ظالم بڑا مزا تھا

آنکھیں کھلیں جب جیو میر کا گیا تب — دیکھے سے تجھ کو ورنہ میرا ابھی جیو چلا تھا

ہم نے کہا تھا تیرے تئیں آ دیکھ یہ ظلم کر — آخرِ کار بے وفا جیو ہی گیا نہ میر کا

قابو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بن گیا — دوشِ ہوا پہ رنگِ گل و یاسمن گیا

برگشتہ بخت دیکھ کے قاصد سفر میں ہے — پہنچا تھا اس کے پاس سو میرے وطن گیا

مر گیا اُس پہ سنگسار کیا — نخل ماتم مرا یہ پھل لایا

دیر و حرم میں کیونکے قدم رکھ سکوں میں میر
مجھ سے ادھر تو بت پھرے اودھر خدا پھرا

جب کہ تابوت مرا جائے شہادت سے اٹھا
شعلۂ آہ دل گرم محبت سے اٹھا

عمر گذری مجھے بیمار ہی رہتے ہے بجا
دل عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اٹھا

یک پارہ جیب کا بھی بجا میں نہیں سیا
وحشت میں کوئی سیا سو کہیں کا کہیں سیا

دل پہنچا ہلاکت کو بہت کھینچ کسالا
لے یار مرے سلمہٗ اللہ تعالیٰ

جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش
واں چادر مہتاب ہے مکڑی کا سا جالا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث
برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا
ایک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا

افسوس میرے مردہ پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتاوا ناعبث ہے جو ہونا تھا ہو چکا

ایک چشمک پیالہ ساقی بہار عمر
جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی ہو چکا

ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا ہے آسمان
دے جام خون میر کو گر منہ وہ دھو چکا

میں بھی دنیا میں ہوں اک نالۂ پریشاں یکجا
دل کے سو ٹکڑے مرے پر سبھی نالاں یکجا

سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے یعنی
جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یکجا

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا
خانہ خراب ہو اس جی کی چاہ کا

آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھتا نہیں
مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا

یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا
قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن سنبھال کے چل
ہوگا کمیں میں ہاتھ کسی داد خواہ کا

کیا طرح ہے آشنا گاہے، گہے نا آشنا
یا تو بیگانہ ہی رہیو، ہو جیو یا آشنا

پائمال صد جفا ناحق نہ ہو اے عندلیب
سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا

قطعہ

بلبلیں رُو رُو کے یہ کہتی تھیں ہوتا کاشکے
یک مژہ رنگ قراری اس چمن کا آشنا

گو گل و لالہ کہاں سنبل و سمن اور نسترن
خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا

کیا دن تھے وے کہ یہاں بھی دل آرمیدہ تھا
رُو آشیاں طائر رنگ پریدہ تھا

قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا
بیچارہ گریہ ناک و گریباں دریدہ تھا

حاصل نہ پوچھ باغ شہادت کا بوالہوس
یہاں پھل ہر یک درخت کا حلق بریدہ تھا

مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی
ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا

خواہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ اس سے مل گیا
کیا کہوں اے ہم نشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا
کھپ گئی جیو میں تیری بانکی ادا

خاک میں مل کے میر اب سمجھے
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

سنو ہو جل ہی بجھوں گا کہ رہا ہوں میں
چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا

گرچہ سردار مزوں کا ہے امیری کا مزا
چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا

اے کہ آزاد ہے ٹک چکھ نمک مرغ کباب
تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا

موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے
کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب

مت ڈھلک مژگاں سے میرے اے سرشک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

دیکھ خورشید تجھ کو اے محبوب
عرق شرم میں گیا ہے ڈوب

میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

دست صیاد تلک بھی میں نہ پہنچا جیتا
بے قراری نے لیا مجھ کو تہ دام بہت

سہل سوجھیں تجھے دشواریاں عاشق کی آہ
حسرتیں کتنی گرہ تھیں رگ ایک جان کے بیچ

حال گلزار زمانہ کا ہے مانا یہ شفق ۔۔۔ رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہے اک آن کے بیچ

تاک کی چھاؤں میں جوں مست پڑے سوتے ہو ۔۔۔ اینڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگاں کے بیچ

نکلے گی میری قبر سے کر آواز میرے بعد ۔۔۔ ابھریں گے دل سے عشق ترے راز میرے بعد

بن گل ہوائے آہ میں تو جا کے لوٹیو ۔۔۔ صحن چمن میں لے پر پرواز میرے بعد

میرے سنگ مزار پر فرہاد ۔۔۔ رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد

ادھر تلک ہے عرش کے مشکل سے تنگ گزر ۔۔۔ اے آہ پُر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر

ہم تو اسیر کنج قفس ہو کے مر چلے ۔۔۔ اے اشتیاق سیر چمن تیری کیا خبر

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخر کار ۔۔۔ ہاتھ سے جائے گا سر رشتہ کلا آخر کار

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر ۔۔۔ نہیں اس قافلے میں اہل دل ضبط نفس بہتر

نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے مجھ چشم گریاں کے ۔۔۔ نظر اے ابر آپ ہی نہ آوے گا برس بہتر

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار ۔۔۔ اے انتظار تجھ کو کسی کا ہو انتظار

ساقی تو ایک بار تو توبہ توڑا میری ۔۔۔ توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

کر رحم ٹک کب تلک ستم مجھ پر جفا کا اس قدر
ایک سینہ خنجر سینکڑوں ایک جان و آزار اس قدر

بھاگے مری صورت سے وہ عاشق میں اس کی شکل پر
میں اس کا خواہاں یہاں تلک وہ مجھ سے بیزار اس قدر

قطعہ

دل دماغ اور جگر یہ سب اک بار ۔۔۔ کام آئے فراق میں اے یار

کیوں نہ ہو فتح ضعف اعضا پر ۔۔۔ مر گئے اس فسون کے سردار

مجکو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز ۔۔۔ ہو چکی حشر میں روتا ہوں تہ خاک ہنوز

اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجو نظر ۔۔۔ دامن دیدۂ گریاں ہے مرا پاک ہنوز

باقی نہیں ہے دل میں یہ غم ہے بجا ہنوز ٹپکے ہے خون دمبدم آنکھوں سے تا ہنوز
احوال نامہ بر سے مرا سُن کے کہہ اُٹھا جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور کیا ہنوز
بارہا چل چکی تلوار تری چال پہ شوخ تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز
منتظر قتل کے وعدہ کا ہوں اپنے یعنی جیتا مرنے کو کہا ہے یہ گنہگار ہنوز
اے ابرِ تر تو اور کسی سمت کو برس اس ملک میں ہماری ہیں یہ چشم تر ہی بس
حرماں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا اک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا مرا قفس
مر گیا میں نہ ملا یار افسوس آہ افسوس صد ہزار افسوس
یوں گنواتا ہے دل کوئی مجکو یہی آتا ہے بار بار افسوس

آج کل کا ہے کو بتلاتے ہو گستاخی معاف
راستی یہ ہے کہ وعدے ہیں تمہارے سب خلاف
پانو پر سے اپنے میرا سر اُٹھانے مت مجھکو
تیغ باندھی ہے میاں تم نے کمر بیں خوش خلاف
سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع
تجھ بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ بجھ جاتی ہے شمع
بالیں پہ میرے گھر سے تو آوے گا جب تلک
کر جاؤں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک

اتنا دن اور دل سے تپش کرے کا وشیں یہ مجملہ تمام ہی ہے آج شب تلک
نقاش کیوں نہ کھینچ چکا تو شبیہِ یار کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اس کے میں اب تلک
فصلِ خزاں میں سیر کی ہم نے بھی جائے گُل چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پائے گُل
اللہ رے عندلیب کی آواز دلخراش جیسے ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گُل
گُل کی جفا بھی دیکھی، دیکھی وفائے بلبل یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

بھلا تم نقد دل لے کر پھر، دشمن گنو اب تو
کبھی کچھ ہم بھی کر لیں گے حسابِ دوستانِ دل

کیا بلبل اسیر ہے بے بال و پر کہ ہم
گل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ہم

جیتے ہیں تو دکھاویں گے دعوائے عندلیب
گل بن خزاں میں اب کے وہ رہتی ہے مر کہ ہم

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم

آستاں پر ترے گذر گئی عمر
اسی دروازے کے گدا ہیں ہم

تیرے کوچہ میں تا بمرگ رکھا
کشتۂ تہمتِ وفا ہیں ہم

ہم چشم ہے ہر آبلہ پا کا مرا اشک
از بسکہ تیری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں

دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستمگر
ہوں خاک سرِ راہ کوئی دم میں ہوا ہوں

آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنر عشق
رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں

گر ٹک ہو درد آئینہ کو چرخِ زشت میں
ان صورتوں کو صرف کرے خاک و خشت میں

تو گلی میں اس کی جا آوے اے صبا نہ چنداں
کہ گڑے ہوئے پھر اُکھڑیں، دلِ چاک دردمنداں

تیرے تیرِ ناز کے جو یہ ہدف ہوئے ہیں ظالم
مگر آہنیں توے ہیں جگر نیاز منداں

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں
اس غمکدے میں آہ دلِ خوش کہیں نہیں

آگو تو لعلِ نو خطِ خوباں کے دم نہ مار
ہر چند اے مسیح وہ باتیں رہیں نہیں

سُن گوشِ دل سے اب تو سمجھ بے خبر کہیں
مذکور ہو چکا ہے مرا حال ہر کہیں

اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں
اطراف باغ ہوں گے پڑے مشت پر کہیں

کیا میں تیں رو کر فشارِ گریباں
رگِ ابر تھا تارِ تارِ گریباں

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں

ٹک سن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو — دو چار دن کی باتیں اب منھ پہ آئیاں ہیں

مرے آگو نہ شاعر نام پاویں — قیامت کو مگر عرصہ میں آویں

نہ ایک یعقوب رویا اس الم میں — کنواں اندھا ہوا یوسف کے غم میں

تیری زلفِ سیہ کی یاد میں آنسو ٹپکتے ہیں — اندھیری رات ہے برسات ہے جگنو چمکتے ہیں

عام حکم شراب کرتا ہوں — محتسب کو کباب کرتا ہوں

ٹک تو رہ لے بنائے ہستی تو — تجھکو کیسا خراب کرتا ہوں

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں — تم تو کرو ہو صاحبی بندہ میں کچھ رہا نہیں

بوئے گل اور رنگ گل اللہ ہی اللہ ہے نسیم — ایک بقدر یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں

ایسے محروم گئے ہم تو گرفتارِ چمن — کہ موئے قید میں دیوار بہ دیوارِ چمن

سینہ پر داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم — یہ بھی تختہ کبھی ہووے گا سزاوارِ چمن

خوں ٹپکے ہے پڑا نوک سے ہر ایک کے ہنوز — کس ستمدیدہ کے مژگاں ہیں یہ خارِ چمن

عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میر سے — پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

میں وہ پژمردہ سبزہ ہوں کہ ہو کر خاک سے سرزد — یکایک آگیا اس آسماں کی پائمالی میں

مرے استاد کو فردوس اعلیٰ میں ملے جاگہ — نہ سکھلایا بغیر از عشق مجھکو خورد سالی میں

آہ اور اشک ہی سدا ہے یہاں — روز برسات کی ہوا ہے یہاں

جس جگہ ہو زمیں تفتہ سمجھ — کہ کوئی دل جلا گڑا ہے یہاں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں قدح شراب تجھ بن — نہ گلے سے میرے اترا کبھی قطرہ آب تجھ بن

یہ ہے بستی عاشقوں کی کبھی سیر کرنے چل تو — کہ محلے کے محلے ہیں پڑے خراب تجھ بن

میں لہو پیوں ہوں غم میں عوضِ شراب ساقی — شب تیغ ہو گئی ہے شب ماہتاب تجھ بن

کٹی عمر میری ساری جیسے شمع باؤ کے بیچ — یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھ بن

نسیم مصر کد آئی سواد شہر کنعاں کو — کہ پھر جھولی نہ یہاں سے لے گئی گلہائے حرماں کو

کوئی کا ہے کا سر رہ کا ہماری خاک پر بس ہے گل گلزار کیا در کار ہے گور غریباں کو

زبانِ نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا
میری طینت میں یا رب سودۂ دلہائے نالاں کو

گل و سنبل میں نیرنگ قضا ست سرسری گزرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

کریں بال ملک فرش رہ اس ساعت کہ محشر میں
لہو ڈوبا کفن لا دیں شہیدِ نازِ خوباں کو

صدائے آہ جیسو کے پار ہوئی ہے تیری شاید
کسی بیدرد نے کھینچا کسی کے دل کے پیکاں کو

کیا سیر اس خرابہ کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسو دیوار کے سایہ میں منہ پر لے کے داماں کو

کیا ہے گر بدنامی و حالت تباہی بھی نہ ہو عشق کیسا جس میں اتنی روسیاہی بھی نہ ہو

جب سے یہاں ہے ہر سحر تیری کروں ہوں جستجو
خانہ بہ خانہ، در بہ در، کوچہ بہ کوچہ، کو بہ کو

آنکھوں سے دل تلک ہیں پچھے خوانِ آرزو
نو اُمیدیاں ہیں کتنی ہی مہمانِ آرزو

اس محلے کو سیر کروں کب تلک کہ ہے
دستِ ہزار حسرت و دامانِ آرزو

دلِ پُر خوں ہے یہاں تجھکو گماں ہے شیشہ
شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ

شیشہ بازی تو تنک ایک دیکھنے آنکھوں کی ہر مژہ پر مرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ

قطعہ

جا کے پوچھا جو میں کل کارگۂ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گراں ہے شیشہ
کہنے لگے کہ کدھر بہکا پھرا ہے اے مست
ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یہاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشہ کی بنائیں ہیں کہاں ہے شیشہ

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ
زمینِ میکدہ یکدست ہے گا آب زدہ

بنے یہ کیونکے ملے تو ہی یار ہمیں سمجھیں
ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ

کہتے ہیں اڑ بھی گئے جل کے پر پروانہ
کچھ سنی سوختگاں نے خبرِ پروانہ

سعی اتنی تو ضروری ہے اٹھے بزم سلگ
اے جگر تفتگیٔ بے اثر پروانہ

بزمِ دنیا کی تو دل سوزی سی ہوگی میر
کس طرح شام یہاں ہو سحرِ پروانہ

اس اسیری سے کہ نہ کوئی اے صبا پالے پڑے
یک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے

حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش
رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے

اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہے آہ نپٹ سرد
یہ باؤ کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے

کرے ہے خندۂ دنداں نما تو میں بھی روؤں گا
چمکتی زور ہے بجلی مقرر آج باراں ہے

چمن پر نوحہ و زاری سے ہے کس گل کا یہ ماتم
جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے

الم سے یہاں تئیں میں مشق ناتوانی کی — کہ میری جان نیں تن پر میرے گرانی کی
چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے — جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی

سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھامنے ہے زبان شمع
وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے

لیتا ہی نکلتا ہے میرا لخت جگر اشک
آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے

اے میر جگر ٹکڑے ہوا دل کی طپش سے
شاید کہ میرے جیو پر اب آن بنی ہے

گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار کئی — رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار کئی
اپنے کوچہ میں نکلیو تو سنبھالے دامن — یادگار مژۂ میر ہیں وہاں خار کئی

صبح سے بن علاج تو خوش ہے — تیرا بیمار آج تو خوش ہے
میر پھر کہیو سرگزشت اپنی — بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہے

مرہی جائیں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے
بھول تو گئے ہو ہمیں پر یہ تمھیں یاد رہے

ہم سے دیوانہ پھریں شہر میں سبحان اللہ
دشت میں قیس پھرے کوہ میں فرہاد رہے

میرے دردِ دل کا تو یہ جوش ہے — کہ عالم جہانِ سیہ پوش ہے
گیا روبرو اس کے کیوں آئینہ — کہ بیہوشی اوس کا دم اور ہوش ہے

اچنبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے
وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اس کو خواب آوے

لپیٹا ہے دلِ سوزاں کو اپنے میر نیں خط میں
الٰہی نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے

اس دشت میں اے سیل سنبھل ہی کے قدم رکھ
ہر سمت کو یاں دفن مری تشنہ لبی ہے

بتاں تو چھوڑ دیتے کر کے خاکِ راہ کے صدقے
مجھے محفوظ رکھا اپنے میں اللہ کے صدقے

کیا خط لکھوں میں گریہ سے فرصت نہیں ہی — لکھتا ہوں تو بھر سے ہے کتابت بھی بھی
لوں کیونکر ہم رنگ ہو تجھ سے ظالم — ترا رنگ شعلہ مرا رنگ کاہی
اب خدا مغفرت کرے اس کو — صبر مرحوم تھا عجب کوئی

سبھوں سے کے خط لئے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے
چلا ہے یار کے کوچہ کو اور مجھ سے چھپاتا ہے

ہو گئی شہر شہر رسوائی — اے مری موت تو بھلی آئی
میر جب سے گیا ہے دل تب سے — میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی
بارے نسیم ضعف سے کل ہم اسیر بھی — سناہے میں جیو کے گلستاں تلک گئے
صد کاروان وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں — گویا متاع دل کے خریدار مر گئے
تمام اس کے قد میں سناں کی طرح ہے — نکیلی پنھہ اس جواں کی طرح ہے

قطعہ (بند)

اوڑے خاک گاہے رہے گاہ ویراں — خراب اور پریشاں یہاں کی طرح ہے
تعلق کرو میر اس پر جو چاہو — مری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے
آتش سے کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے — بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے
ناصح نہ روویں کیونکہ محبت کے جیو کو ہم — اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے
ہنگامہ میری نعش پہ تیری گلی میں ہے — لے جائیں گے جنازہ کشاں یہاں سے کب مجھے
کاتب کہاں دماغ جواب شکوہ اٹھائیے — بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانیے

شب خواب کا لباس ہے عریانتی میں یہ — جب سوئیے تو چادر مہتاب تانیے

کب تلک جیو رُک کے خفا ہووے — آہ کرنے کی ٹک ہوا ہووے

بے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم — دیکھیے اب کے سال کیا ہووے

ہے یہ بازار جنوں منڈی ہے دیوانوں کی — یہاں دوکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی

خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب — یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی

کیونکہ کہیئے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا — گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی

نہیں وسواس جیو گنوانے کے — ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میری تغییر حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ تا بہ جوانی — اے عمر گزشتہ میں تیری قدر نہ جانی

مدت سے ہیں اک مشت پر آوارہ چمن میں — نکلی ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی

یہ جان اگر بید مولہ کہیں دیکھے — رہ گئی ہے کسی موئے پریشاں کی نشانی

بھاتی ہے مجھے ایک طلب بوسہ میں یہ آن

لکنت سی اُلجھ جا کے تجھے بات نہ آنی

بسکہ ہے گردون دول پرور، دنی — ہوئے پیوند زمیں یہ کشتنی

بزم میں سے اب تو چل اے رشک صبح — شمع کے منہ پر تو پھر گئی مُردنی

اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوہو ہے — آب ہوجائے کہ یہ دل خلۂ پہلو ہے

دہر بھی میر طرفہ مقتل ہے — جو ہے سو کوئی دم کو فیصل ہے

روز کہتے ہیں ملنے کو خوباں — لیکن اب تک تو روز اول ہے

قطعہ (بند)

ہجر باعث ہے بدگمانی کا — غیرت عشق ہے تو کب کل ہے

مر گیا کوہکن اسی غم سے — آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

خنجر بکف وہ جب سے سفاک ہو گیا ہے — ملک ان ستم زدوں کا سب پاک ہو گیا ہے

دیوار کہنہ ہے یہ مت بیٹھ اس کے سائے — اُٹھ چل کہ آسماں سب کا واک ہو گیا ہے

زیر فلک بھلا تو رووے ہے آپ کو میر — کس کس طرح کا عالم یہاں خاک ہو گیا ہے

ساقی گھر چاروں اُور آیا ہے — دے بھی ہے ابر زور آیا ہے

ذوق تیرے وصال کا میرے — ننگے سر تا بہ گور آیا ہے

کل ہم سے اس سے بارے ملاقات ہو گئی — دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی

کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہجر — سو زلفیں ہی بناتے اسے رات ہو گئی

گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا — مسجد تو شیخ جیو کی خرابات ہو گئی

کتنا خلاف وعدہ ہوا ہو گا وہ کہ یہاں — نومیدی اور امید مساوات ہو گئی

اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اس کے روبرو — رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہو گئی

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے — ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجے

قصد اگر امتحان ہے پیارے — اب تلک نیم جان ہے پیارے

سجدہ کرتے ہی سر کٹیں ہیں جہاں — سو ترا آستان ہے پیارے

میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے — جان ہے تو جہان ہے پیارے

رباعیات [۱]

تجھ رہ سے محال ہے اُٹھانا مجکو — خبطی کہے کوئی کوئی سیانا مجکو

سر میرا لگا ہے نقش پائے تیرے — سجدہ کو خدا کے بھی بجانا مجکو

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا — میخانہ میں جوش بادہ نوشاں دیکھا

اک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم تھے — دیکھا سو محلۂ خموشاں دیکھا

---

(۱) پیرس: رباعی

کاہے کو کوئی خراب خواری ہوتا کاہے کو کسی پہ جان بھاری ہوتا
دکھ اور ملاپ ہوتا تو سلتے اے کاش کہ عشق اختیاری ہوتا

جگ میں جوں شمع پانو جل کر رکھنا یا بن کے بگولا ہاتھ مل کر رکھنا
آیا ہے قمار خانۂ عشق میں تو سر بازی ہے یہاں قدم سنبھل کر رکھنا

کیا کرے بیاں مصیبت اپنی پیارے دن عمر کے میری غم میں گزرے سارے
رنج و ضعف و بلا، مصیبت، محنت پنپا ہی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے

پیغمبر حق نے حق دیکھا یا اس کا معراج ہے کمترین پایا اس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ہے گا کل حشر کو ہوگا سب پہ پایا اس کا

دل تجھ پہ جلے نہ کیونکہ میرا بیتاب یہاں مجکو توقع ہے کہ لاتا ہے جواب
وہاں ان نے شراب پی کے مستی میں میر کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

خاتمہ

بدانکہ ریختہ بر چندیں قسم است۔ از انجملہ انچہ معلوم فقیر است نوشتہ می آید۔

اول آنکہ یک مصرعش فارسی و یک ہندی چنانچہ قطعہ (از) حضرت امیر (خسرو) علیہ الرحمۃ نوشتہ شد۔ دویم آنکہ[1] نصف مصرعش ہندی و نصف (دیگرش) فارسی چنانچہ شعر میر معز (موسوی مرقوم) کہ نوشتہ آمد۔ سیوم آنکہ حرف و فعل فارسی[2] بکار می برند و ایں قبیح است۔ چہارم آنکہ ترکیبات فارسی می آرند۔ اکثر ترکیب کہ مناسب زبان ریختہ می افتد، آں جائز است و ایں را غیر شاعر نمی داند و ترکیبے کہ ناما نوس[3] ریختہ می باشد، آں معیوب است و دانستن ایں نیز موقوف (بر) سلیقۂ شاعری است و مختار[4] فقیر ہم ہمین است (کہ) اگر ترکیب فارسی موافق گفتگوے ریختہ بود، مضائقہ ندارد۔ پنجم ایہام است کہ در شاعران سلف این[5] فن رواج داشت۔ اکنوں طبعہا مصروف ایں صنعت کم است گو بسیار بہ شستگی[6] بستہ شود۔ و معنی ایہام اینست کہ لفظے[7] کہ بر و بنائے بیت بود آں دو معنی داشتہ باشد، یکے قریب و یکے بعید و بعید منظور شاعر باشد و قریب متروک او۔ ششم انداز است کہ ما اختیار کردہ ایم و آں محیط ہمہ صنعتہا است۔ تجنیس (و) ترصیع (و) تشبیہ (و) صفائے گفتگو (و) فصاحت (و) بلاغت (و) ادا بندی (و) خیال وغیرہ۔ ایں ہمہ در ضمن ہمین است و فقیر ہم از ہمیں وتیرہ محظوظم۔ ہر کرا دریں فن طرز خاص است، ایں معنی را می فہمد، با عوام کار ندارم۔ اینکہ نوشتہ ام برائے یاران من بسند است

---

(۱) انجمن : اینکہ (۲) انجمن : پارسی

(۳) پیرس : نامناسب (۴) پیرس : و فقیر ہم ہمین اختیار کردہ است

(۵) انجمن : دریں (۶) پیرس : شکستگی (۷) پیرس : حرفے

نہ برائے ہر کس زیرا کہ عرصۂ سخن وسیع است واز تلون چمنستان ظہور آگہم۔ مصرع
ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

(وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ۔ وَتَمَّمْ بِالْخَیْرِ وَالْعَافِیَةِ)

ترقیمہ انجمن

تمام شد نکات الشعراء ہندی من تصنیف میر محمد تقی میرؔ تخلص، بحسب الفرمائش حضرت سید عبدالولی صاحب قبلہ عزلتؔ تخلص۔ کاتب الحروف سید عبدالغنی ابن سید محمود ابن میر محمد رضا اصفہانی غفراللہ ذنوبہما دستر عیوبہما، در بلدۂ فرخندہ بنیاد ابد بنیاد۔ تحریر فی التاریخ ہفدہم رمضان المبارک ۱۱۷۲ھ یک ہزار یک صد و ہفتاد و دو من الہجرۃ النبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

ترقیمہ پریس

بتاریخ ہفدہم شہر شوال روز چہار شنبہ ۱۳۳۶ہجری در بندر سورت بموجب خواہش جمیع دوستاں بہ اتمام رسید۔